آسان ترجمے اور عمدہ شرح کے ساتھ

شرح اربعین نووی

40 احادیث

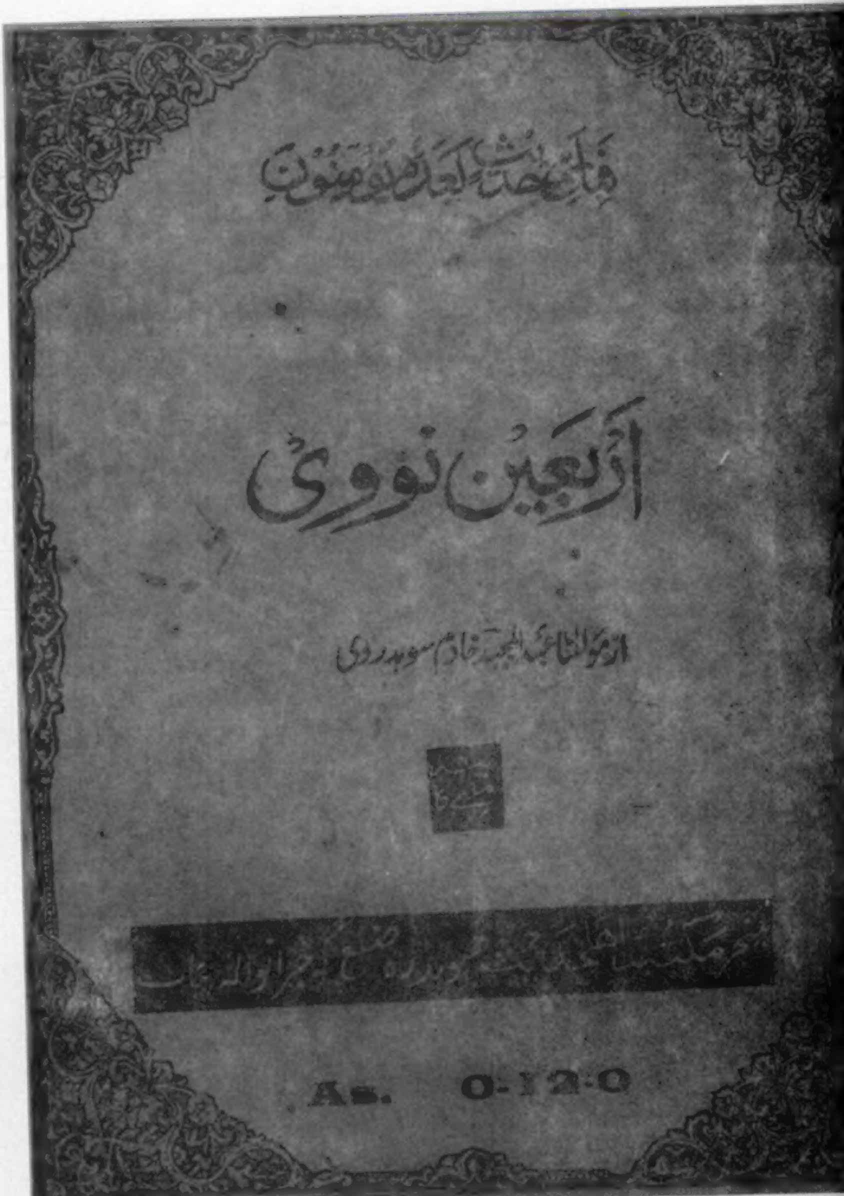


مسلم پبلیکیشنز
MUSLIM PUBLICATIONS

مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ
1959ء

شرح
اربعین نووی

بسم الله الرحمن الرحيم



مولانا عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ کے دور کے نسخے کا عکس 1955ء

MUSLIM PUBLICATIONS

مسلم پبلیکیشنز

تاسیس: مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمتہ اللہ بنام "مسلمان کمپنی" 1921ء
بانی و مدیر ہفت روزہ "مسلمان"

تجدید: مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمتہ اللہ بنام "مسلم پبلیکیشنز" 1970ء
بانی و سابق چیف ایڈیٹر ماہنامہ ضیائے حدیث، لاہور

کتاب:

شرح اربعین نووی

ترجمہ و شرح:

مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ

اہتمام:

حافظ عبدالوحید سوہدروی حفظہ اللہ

ایڈیشن:

اپریل 2015ء

• 12 عثمان غنی روڈ، سنت نگر، لاہور 042-37249678
• 25 بادیہ حلیمہ سنٹر، اردو بازار، لاہور 042-37310022
0322-4044013 | 0321-4259678

ہماری کتب مل سکتی ہیں

﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍۭ بَعْدَهُۥ يُؤْمِنُونَ﴾

”پھر اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے؟“

(المرسلات 77:50)

مضامین

عرض ناشر ... 9

پیش لفظ ... 11

سیرت امام نووی رحمہ اللہ ... 13

حدیث: 1 نیت اور ارادے کی اہمیت ... 15

حدیث: 2 ایمان، اسلام اور احسان کیا ہیں؟ ... 17

حدیث: 3 ارکانِ اسلام ... 22

حدیث: 4 انسان کی ولادت اور اس کے بعد سعادت یا شقاوت ... 24

حدیث: 5 دین میں نئے نئے امور ... 27

حدیث: 6 حلال وحرام اور ان کے درمیان مشتبہ معاملات ... [illegible]

حدیث: 7 دین خیر خواہی کا نام ہے! ... 32

حدیث: 8 جہاد وقتال کا ایک مقصد ... [illegible]

حدیث: 9 بال کی کھال اتارنے والے سوالوں سے اجتناب

حدیث: 10 حرام کے استعمال سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں

حدیث: 11 مشکوک معاملات سے کنارہ کشی

حدیث: 12 اسلام کا حسن: بے مقصد باتوں، کاموں اور سرگرمیوں سے اجتناب

حدیث: 13 دوسرے کے لیے وہی کچھ پسند کریں جو اپنے لیے کرتے ہیں

حدیث: 14 قتلِ مسلم کی تین وجوہات

حدیث: 15 اللہ اور آخرت پر ایمان کے چند تقاضے

حدیث: 16 غصہ نہ کیا کرو!!

حدیث: 17 انسان تو کیا حیوانوں کے ساتھ بھی احسان

حدیث: 18 اللہ تعالیٰ کا ڈر اور لوگوں سے اچھا برتاؤ

حدیث: 19 نصیحتِ نبوی کے گراں مایہ پہلو

حدیث: 20 شرم و حیا کی اہمیت

حدیث: 21 استقامت

حدیث: 22 نماز، روزے کا اہتمام اور حلال وحرام کی تمیز

حدیث: 23 صفائی کی اہمیت اور کلمات کی فضیلت

حدیث: 24 جامع ترین حدیث قدسی

حدیث: 25 نیکی میں مقابلہ

حدیث:26 صدقے کے مفہوم کی وسعت

حدیث:27 نیکی اور برائی کی تعریف

حدیث:28 نبی کریم ﷺ کا ایک وعظ

حدیث:29 جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ مگر کیسے؟

حدیث:30 احکام وحدود کی پاسداری

حدیث:31 اللہ کا محبوب اور لوگوں کا پیارا بننے کے لیے ....!

حدیث:32 نقصان نہ اپنا نہ دوسروں کا

حدیث:33 دلیل کے بغیر دعوے بے سود ہیں

حدیث:34 برائی سے روکنے کے تین مراتب

حدیث:35 مسلم معاشرے کے چند ضابطے

حدیث:36 دردِ دل اور جذبۂ حصولِ علم

حدیث:37 اعمال نامے میں نیکی اور برائی لکھنے کا ضابطہ

حدیث:38 قربِ الٰہی کی جستجو

حدیث:39 بھول چوک اور مجبوری قابل گرفت نہیں!

حدیث:40 جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے!

عرض ناشر

خدمتِ حدیث کے پہلو سے امت نے بڑا نمایاں اور ممتاز مقام حاصل کیا۔ یہ وہ مقام ہے جو سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے امتیوں میں سے کسی کے حصے میں نہیں آسکا۔ کہیں جوامع ہیں اور کہیں مسانید، کہیں معاجم ہیں اور کہیں اجزاء، کہیں آثار ہیں اور کہیں سنن، احادیث مبارکہ کے اسی تسلسل میں ہمیں اربعین کا نام بھی ملتا ہے۔

امت کے سلف و خلف نے اربعین کے نام سے سیکڑوں مجموعے امت کے نام کیے۔ اس میں بھی کئی پہلو سامنے رکھے گئے۔ کسی امام نے کسی خاص موضوع پر 40 احادیث جمع کیں، کسی نے کسی خاص کتاب سے 40 احادیث کا مجموعہ تیار کیا، کسی نے متعدد عناوین کے تحت 40 احادیث کو جمع کیا۔ اسی نوعیت کی ایک یہ زیرنظر کتاب بھی ہے۔ جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے متعلق تقریباً تمام موضوعات کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اربعین نووی جہاں مختلف عناوین پر احاطے کے حساب سے امام نووی رحمہ اللہ کا ایک فقہی شاہکار ہے، وہاں یہ احادیثِ مبارکہ سے شغف اور حدیث مبارکہ سے وابستگی کی واضح دلیل اور ان کے اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ''اربعین'' کے نام سے جتنے بھی مجموعے موجود ہیں ان سب میں نمایاں حیثیت اسی کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ امام نووی رحمہ اللہ کو اس کی بہترین جزا دے اور ان کے اس صدقۂ جاریہ کو مزید بڑھائے۔

پڑدادا جان مولانا حکیم عبدالمجید خادم سوہدروی رحمہ اللہ نے بہت سی اربعینوں میں سے اسی

کا انتخاب کیا جیسا کہ آپ پیش لفظ میں پڑھیں گے۔

⊙ یہ وہ کتاب ہے جو پڑدادا جان مرحوم کے بعد غالباً پہلی دفعہ منظر عام پر آرہی ہے۔
اسے منظر عام پر لانے میں محترم دادا جان عبدالوحید سوہدروی ﷾ کا تعاون اور سرپرستی حاصل رہی ہے۔ ان شاء اللہ مولانا مرحوم کی تمام کتب اور مضامین منظر عام پر لائے جائیں گے۔
اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات نشر اور نافذ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

⊙ یہ ترجمہ عام فہم ہے، جس میں اخلاص کی چاشنی اور ادبی رنگ بھی محسوس ہوتا ہے اور شرح میں بہت سے نکات پڑھنے کو ملتے ہیں۔
آخر میں میں رفیق ادارہ حافظ فاروق عبداللہ ﷾، حافظ سیف اللہ لغاری، حافظ شبیر صدیق اور عبدالخالق کا شکر گزار ہوں جن کی محنتوں سے کتاب منظر عام پر آنے کے قابل ہوئی۔

محمد نعمان فاروقی
ڈائریکٹر: مسلم پبلی کیشنز، لاہور
اپریل 2015ء / جمادی الثانیہ 1436ھ

پیش لفظ

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی موجودگی میں احادیث نبویہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی دین اسلام میں حدیث کو کوئی اہمیت حاصل ہے۔ ہم ایسے ہی منکرین حدیث کو بالخصوص اور عوام الناس کو بالعموم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر اسلام میں حدیث شریف کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہ ہوتی تو حضور پر نور ہر مسلمان کو چالیس چالیس احادیث حفظ کرنے کی تلقین نہ فرماتے اور نہ ہی اس پر اتنے انعام و اکرام کی تخصیص فرماتے، یہ درحقیقت ترغیب وتحریص ہے اس امر کی کہ امت کا ہر ہر فرد چالیس چالیس حدیثیں یاد کرلے اور اس طرح احادیث کا سارا ذخیرہ محفوظ ہوجائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضور سرور عالم ﷺ سے جتنے الفاظ مروی ہیں اُن کا لُب لباب یہ ہے:

«مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِدِينِهَا كُتِبَ فِي زُمْرَةِ الْعُلَمَاءِ وَ حُشِرَ فِي زُمْرَةِ الشُّهَدَآءِ وَكُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَشَهِيدًا وَقِيلَ لَهُ: أُدْخُلْ مِنْ أَيِّ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتَ»

''میری امت میں سے جو شخص بھی بسلسلہ دین چالیس حدیثیں حفظ کرلے گا وہ گروہ علماء میں شمار ہوگا اور شہداء میں اس کا حشر ہوگا۔ میں بروز قیامت اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں شہادت دوں گا، نیز اس سے کہا جائے گا کہ تو

جنت میں جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔''[1]

یہ حدیث اور اسی قسم کی دیگر احادیث جن میں چالیس حدیثیں حفظ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلام میں حدیث شریف کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور ہر مسلمان مکلّف ہے کہ وہ حدیث کی طرف توجہ کرے اور کم سے کم چالیس اور زیادہ سے زیادہ جتنی احادیث چاہے حفظ کر کے اللہ کے ہاں بلند مقام حاصل کرلے۔ چنانچہ اس مقصد کے پیش نظر ہم نے دس بیس معروف اربعین کی شرحیں لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور ان میں سے پہلا نمبر اربعین نووی کو دیا گیا ہے۔ اگر توفیق الٰہی شامل حال ہوئی تو دوسرے نمبر بھی بہت جلد نذر ناظرین ہوں گے۔ وباللہ التوفیق۔

عبدہ: عبدالمجید خادم عفی عنہ

1. كنز العمال: 4/67. مؤلف رحمہ اللہ نے اس مرفوع حدیث کے مختلف الفاظ جمع کر کے ایک ترتیب سے بیان کیے ہیں، جیسا کہ انھوں نے خود بھی وضاحت کی ہے۔ مگر اصول حدیث کے تحت اس حدیث کی کوئی بھی سند حد قبول کو نہیں پہنچتی۔ محقق العصر علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس کے تمام طرق پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (دیکھیے: السلسلة الضعيفة والموضوعة، حديث: 4589) یہ حدیث تو ضعیف ہے مگر امت کے سلف و خلف نے اربعین کے نام سے بہت سے مجموعے مرتب کیے ہیں۔ انھی میں سے ایک یہ زیر نظر مجموعہ ہے۔ (محمد نعمان فاروقی)

سیرت امام نووی رحمہ اللہ

امام نووی رحمہ اللہ کی جامع اور کامل سیرت تو ہماری نظر سے نہیں گزری البتہ اُن کے مختصر سے حالات متعدد کتابوں میں ملتے ہیں، جن کا ملخص یہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ کا نام یحییٰ تھا اور والد بزرگوار کا نام شرف الدین تھا۔ صوبہ شام میں دمشق کے قریب ''نوی'' نامی ایک گاؤں تھا جو آپ کے والد کا مسکن تھا۔ اسی مناسبت سے آپ ''نووی'' کہلائے اور ''نووی'' کے نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ محرم 631ھ میں ''نوی'' ہی میں پیدا ہوئے اور 47 سال کی عمر میں نوی ہی میں فوت ہوئے۔ اور 677ھ میں وہیں مدفون ہوئے۔ جب آپ دس گیارہ سال کی عمر کو پہنچے اور قرآن کریم پڑھ چکے تو آپ کو قرآن مجید سے ایک خاص لگاؤ پیدا ہو گیا۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت قرآن ہی کی تلاوت کرتے رہتے اور اسی کی لگن میں مگن رہتے۔ ہم عمر بچے ہزار جتن کرتے اور آپ کو کھیلنے کودنے کی ترغیب دلاتے مگر آپ کسی کی ایک نہ سنتے۔ آپ کے باپ دکانداری کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ آپ کسی خرید و فروخت اور کاروباری معاملات ہی میں حصہ لیں۔ مگر آپ کی طبیعت کسی طرف بھی مائل نہ ہوئی۔ امام زرکشی رحمہ اللہ نے آپ کی یہ کیفیت دیکھی تو آپ کے باپ کو بتایا کہ یہ بچہ کچھ بننے والا ہے، اسے علم پڑھنے دو۔ باپ سمجھ گیا اور اس نے آپ کو امام زرکشی رحمہ اللہ ہی کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ آپ نے امام زرکشی رحمہ اللہ کی

صحبت اور علمیت سے بہت کچھ فیض پایا۔ دمشق کے مشہور عالم امام کمال الدین مغربی سے بھی بہت علمی فائدہ اٹھایا۔ اور بعض دیگر ائمہ سے بھی علم حاصل کیا۔ ساری عمر تحصیل علم اور تدریس ہی میں صرف کر دی اور جو وقت درس تدریس سے بچا وہ تصنیف و تالیف کی نذر ہو گیا۔ حتی کہ اس علمی مشغلہ میں آپ اتنے مشغول ہوئے کہ شادی تک نہ کر سکے اور اسی دھن ہی میں دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ نے بہت سی کتابیں اپنی علمی یادگار چھوڑی ہیں۔ جن میں سے اکثر مطبوع ہیں۔ اُن میں سے مشہور مشہور یہ ہیں: المنہاج، ریاض الصالحین، المناسک، الارشاد، شرح صحیح مسلم، شرح بخاری، الروضہ، کتاب الاذکار، شرح المہذب، التبیان فی آداب القرآن، شرح الوسیط، تحفۃ الطالب، کتاب المبہمات، طبقات الشافعیہ وغیرہ ...... آپ کی الاربعین ایک ایسی جامع چیز ہے کہ پندرہ کے قریب اس کی شرحیں لکھی گئیں۔ جید علماء اور فضلاء نے اس پر حواشی لکھے اور اس کی شرحیں قلمبند کیں۔ حتی کہ ملا علی قاری نے بھی اسے پسند کرتے ہوئے اس کی جامع شرح لکھی ہے۔ پس ہم بھی آج اپنے انداز میں اس کی اردو شرح نذر ناظرین کر رہے ہیں، اُمید ہے کہ احباب اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔

عبدہٗ: عبدالمجید خادم (رحمہ اللہ)
یکم مئی 1955ء

نیت اور ارادے کی اہمیت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَ إِنَّمَا لِكُلِّ امْرِيءٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِامْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، وہ فرماتے تھے: ''تمام عملوں کا دار و مدار نیتوں پر مبنی ہوتا ہے اور ہر شخص کو وہی کچھ ملے گا جو اس کی نیت ہوگی۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لیے ہجرت کی، اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے کی ہو۔ وہ اسے پا لے گا۔ کسی نے کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی ہو تو اس کی ہجرت اسی کے لیے شمار ہوگی۔''[1]

تشریح یہ حدیث اسلام کی اساسی اور بنیادی حدیثوں میں شمار ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایک ایسی چیز (نیت) کا بیان کیا گیا ہے جس پر تمام اعمال کا حصہ ہے۔ اسی لیے ارشاد نبوی ہے کہ ہر کام سے پہلے نیت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر نیت صالحہ ہوگی تو اس کا اجر ملے گا۔ اگر نیت ہی صالحہ نہ ہوئی بلکہ وہ دنیوی اغراض و مصالح پر مبنی ہوئی تو اس کا کچھ اجر نہیں ملے گا۔

[1] صحيح بخاري، حديث: 54، و صحيح مسلم، حديث: 1907.

چنانچہ مثال کے طور پر آپ نے ہجرت ہی کو پیش کر دیا (کیونکہ ان دنوں سب کے ہاں اسی کی اہمیت پیش نظر تھی۔) اس پر آپ نے فرمایا کہ اگر کسی نے رضائے الٰہی کے لیے ہجرت کی ہوگی تو اُسے پورا پورا اجر ملے گا۔ اگر کسی نے کسی عورت سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی ہوگی یا بزنس اور تجارت کے لیے ہجرت کی ہوگی یا خود تنگ آ کر یا کسی کے تنگ کرنے پر ہجرت کی ہوگی تو اسے اس کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

پس اب اسی پر تمام اعمال کو قیاس کر لیجیے۔ خواہ وہ نماز، روزہ ہو یا حج زکاۃ، جس نقطۂ نگاہ سے اور جس نیت سے کوئی کام کرے گا ویسا ہی اس کو اس کا صلہ یا اجر ملے گا۔ اگر حج اس نیت سے کیا ہے کہ لوگ اسے حاجی کہہ کر پکارا کریں تو یقیناً لوگ اسے حاجی کہیں گے۔ اسے الحاج کا خطاب مل جائے گا۔ مگر وہ اللہ کے ہاں اجر نہ پاسکے گا۔ اگر کسی نے اعلان کر کے اور ڈھنکے بجا کر خیرات کی یا صدقہ دیا تاکہ عوام میں سخی مشہور ہو جائے تو یقیناً وہ سخی کہلائے گا مگر اپنا اجر ضائع کر بیٹھے گا۔ پس ہر عمل کے لیے نیت کا خلوص ضروری ہے اور ہر مقام پر نیت کی صالحیت لازمی ہے۔ اگر یہ میسر نہ آئی، یعنی عمل سے پہلے نیت نیک نہ ہوئی تو سمجھیے کہ عمل ضائع ہوگیا۔ پس نیت کے لیے منہ سے بولنا بھی ضروری نہیں ہے (جیسا کہ اکثر لوگ نماز کی نیت باندھتے ہیں) بلکہ نیت تو دل ہی سے تعلق رکھتی ہے۔ کسی کام کے لیے مصمم ارادہ کر لینا اور ارادے میں یقین اور پختگی ہونا ہی نیت ہے۔ اس لیے ارشاد نبوی ہے کہ ہر کام کا حصر نیت پر مبنی ہے، نیت میں ریا اور دکھاوا یا کوئی دنیوی غرض نہ ہو، بلکہ اللہ کی رضا ہی ہو تو نجات ہوگی۔

ایمان، اسلام اور احسان کیا ہیں؟

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُومَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا». قَالَ: صَدَقْتَ ـ قَالَ ـ فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْئَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ؟ قَالَ: «أَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَ رُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ» قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ؟ قَالَ: «أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: «مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا وَ أَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ». قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ

لِي: «يَا عُمَرُ! أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟» قُلْتُ: اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهُ جِبْرَائِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ».

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثنا میں ایک اجنبی شخص آیا جس کے کپڑے نہایت صاف اور سفید اور بال کالے سیاہ تھے۔ نہ اس پر سفر کا کوئی نشان تھا نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا (کہ وہ اس سرزمین کا ہو۔) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا (یعنی مؤدبانہ طریق پر جیسے التحیات میں بیٹھتے ہیں۔) پھر عرض کیا کہ حضرت! مجھے اسلام کے متعلق بتایئے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھو اور نماز ادا کرو، زکاۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرو۔'' اس پر وہ بولا: آپ نے سچ کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کے اس سوال اور تصدیق پر کچھ حیرانی سی ہوئی (کہ یہ ایسے تصدیق کرتا ہے جیسے پہلے سے جانتا ہے۔) پھر وہ بولا کہ حضرت! مجھے ایمان کی حقیقت بتلایئے۔ اس پر آپ نے فرمایا: ''اللہ پر، اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ۔ اور خیر و شر کی تقدیر پر ایمان رکھو۔'' اس پر اس نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے پوچھا کہ حضور فرمایئے: احسان کسے کہتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طریق پر کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم ایسا (مشاہدۂ حق) نہ کر سکو تو پھر (کم از کم یہ تصور تو کر لو) وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔'' پھر اس نے دریافت کیا کہ حضور! مجھے قیامت کے بارے میں مطلع فرمایئے کہ کب

آئے گی؟ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی اس لاعلمی میں ہم دونوں برابر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اسے جانتا ہے) پھر اس نے عرض کی کہ اچھا قیامت کی کچھ علامتیں ہی بتا دیجیے! آپ نے فرمایا: ''جب باندیاں اپنے آقا جننے لگیں اور بھوکے ننگے بکریاں چرانے والے بڑی بڑی عمارتوں پر فخر کرنے لگیں گے۔'' اس کے بعد وہ شخص چلا گیا اور کچھ دیر ٹھہر کر حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے اور تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔''[1]

تشریح: یہ حدیث بھی ابتدائی حدیثوں میں سے ہے۔ اسی لیے اس میں فرمایا گیا ہے کہ جبرائیل تمھیں اسلامی تعلیم سکھانے اور مجھ سے سوال کرنے کا طریق بتانے اور استفسارات کا سبق تلقین کرنے آئے تھے کہ جب مجھ سے کچھ پوچھنا ہو تو یوں پوچھا کرو۔ نیز اس حدیث سے مندرجہ ذیل سبق اخذ ہوتے ہیں:

1. جبرائیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس مختلف شکلوں میں آیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی انسانی لبادہ میں بھی آجایا کرتے تھے اور حضور ﷺ کو پتہ چل جاتا تھا کہ یہ جبرائیل امین ہیں۔
2. جس طرح شیطان (جو ناری مخلوق ہے) شکل بدل سکتا ہے اسی طرح فرشتے بھی (جو نوری مخلوق ہے) شکل بدل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو یہ قدرت عطا فرما رکھی ہے۔ اور اس میں ایک خاص راز ہے۔
3. اسلام کے پانچ رکن توحید، نماز، روزہ، حج اور زکاۃ برابر برابر ہیں۔ اگر فہم اور استطاعت کے باوجود ان میں سے کسی ایک کو بھی ترک کر دیا جائے تو انسان اسلام سے خارج ہو

[1] صحيح البخاري، حديث: 4777، وصحيح مسلم، حديث: 8.

جاتا ہے۔ یعنی عمداً ایک رکن کے ترک پر بقیہ چار رکن بھی بے کار ثابت ہوں گے اور انسان کے کسی کام نہ آئیں گے جس پر اور بھی کئی احادیث دال ہیں۔

۲: ایمان اور اسلام میں فرق ہے۔ جیسا کہ خود سائل کے سوال سے واضح ہو رہا ہے۔ ایمان چند چیزوں کے مان لینے کا نام ہے اور اسلام از سر تا پا عمل کا نام ہے۔ اگر آپ اپنی مانی ہوئی اور تسلیم شدہ باتوں پر عمل پیرا نہیں ہیں تو گویا مسلمان نہیں ہیں۔

۳: احسان کا دوسرا نام آج کل کی اصطلاح میں تصوف ہے۔ اور صوفی وہی ہے جو عبادت کی حقیقت سمجھے اور عبادت وہی ہے جو دو حالتوں سے خالی نہ ہو۔ اول یہ کہ ایمان کی پختگی یہاں تک ہو کہ معبود حقیقی نظر آ جائے۔ اگر یہ کیف پیدا نہ ہو تو کم از کم اتنا تصور تو ہو کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں، اگر میں اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ یقیناً مجھے دیکھ رہا ہے۔ اگر ان دونوں کیفیتوں میں سے نماز میں یا کسی عبادت میں کوئی ایک کیفیت بھی طاری نہ ہو تو پھر سمجھ لو کہ وہ عبادت صحیح ہی نہیں کیونکہ تیسری صورت تو کوئی روا رکھی ہی نہیں گئی۔

۴: قیامت کی خبر کسی کو نہیں حتی کہ خود سرور کائنات ﷺ کو بھی نہیں۔ جبریل امین علیہ السلام کو بھی نہیں۔ قیامت کے علاوہ امور غیب میں سے کچھ اور امور بھی ہیں جن کے متعلق قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ بجز خدا کوئی نہیں جانتا، اس لیے ہر ایماندار کا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ غیب اللہ ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے۔

علم غیبی کس نمے داند بجز پروردگار
ہر کہ گوید من بدانم تو ازد باور مدار
مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرائیل
جبرائیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

❁ علامات قیامت اگر چہ مختلف مواقع پر حضور ﷺ نے مختلف ارشاد فرمائیں۔ یا یوں سمجھیے کہ جوں جوں اللہ تعالیٰ نے بتائیں، حضور پُر نور ﷺ نے ہمیں وہی سنائیں مگر اس حدیث میں تو دو ہی علامتوں پر اکتفا فرمائی، اول یہ کہ قیامت کے قریب اولاد کے دل سے ماں باپ کا اکرام و احترام اُٹھ جائے گا۔ خصوصاً ماں کا ادب مفقود ہو جائے گا اور بیٹا ماں کو مثل باندی لونڈی نوکرانی تصور کرے گا اور اس سے ایسا سلوک کرنے لگے گا جیسا کہ نوکرانیوں سے کیا جاتا ہے۔ انا للہ۔

دوم یہ کہ وہ لوگ جو غریب، مفلس اور نچلے طبقہ کے ہوں گے اونچے اونچے محلوں، نئی نئی کوٹھیوں اور بڑے بڑے بنگلوں میں رہنے لگیں گے اور اس پر فخر و ناز کریں گے۔ اترائیں گے۔ شرفاء ان کے سامنے شرمائیں گے۔ مطلب یہ کہ نچلے اوپر ہو جائیں گے۔ شریفوں پر رذیل غالب آجائیں گے، شریف کا کوئی قدر دان نہ ہوگا۔ اور رذیل سے سب ڈریں گے کیونکہ وہ برسر اقتدار ہوگا اور قیامت کے قریب اقتدار ہی کی قدر و قیمت ہوگی۔

❁ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے کوئی بھی غیب دان نہ تھا کہ اتنا ہی جان لیتا کہ سائل کون ہے۔ جب حضور ﷺ نے بتایا جبھی سب کو پتہ چلا کہ یہ تو جبرائیل تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتدائے اسلام ہی سے لوگ دور دور سے اسلام سیکھنے کے لیے آنا شروع ہو گئے تھے۔ جبھی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ قیاس کرتے رہے کہ آنے والا کتنی دور سے آیا ہے کہ نہ تو ہم اسے پہچانتے ہیں اور نہ ہی اس پر بُعد مسافت کی وجہ سے کچھ آثارِ سفر نظر آتے ہیں۔ آخر اس میں راز کیا ہے؟ خیال آرائیاں تو دیکھتے ہی شروع ہو گئیں مگر راز بعد میں جا کر منکشف ہوا۔

حدیث: 3

ارکانِ اسلام

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ ﷺ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَإِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ»

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: 1 اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ 2 نماز قائم کرنا۔ 3 زکاۃ ادا کرنا۔ 4 بیت اللہ کا حج کرنا۔ 5 رمضان کے روزے رکھنا۔''[1]

تشریح اگر اسلام کو ایک عمارت سے تعبیر کیا جائے تو ظاہر ہے کہ کوئی عمارت یا مکان اس وقت تک محفوظ نہیں ہوسکتا جب تک اس کی چاروں دیواریں صحیح و سالم نہ ہوں اور اس کی چھت مضبوط نہ ہو۔ اگر کسی مکان کی دیواریں تو چاروں مکمل ہوں مگر چھت نہ ہو تو ظاہر ہے کہ مکان مکان کہلانے ہی کے مستحق نہیں ہے۔ اگر چھت تو صحیح ہو اور تین دیواریں بھی مکمل ہوں مگر چوتھی دیوار نہ ہو یا چاروں دیواروں میں سے کوئی دیوار ناقص اور نامکمل ہو تو پھر بھی وہ مکان محفوظ نہیں ہے۔ ہر وقت خطرہ لاحق ہے کہ کوئی اس کا سامان لے نہ بھاگے اور جس کا جس وقت جی چاہے چوری نہ کرے۔ بعینہٖ یہی حالت ہمارے اسلام کی ہے۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 8، وصحيح مسلم، حديث: 16.

نماز، روزہ، حج، زکاۃ تو چاروں دیواریں ہیں اور کلمہ توحید مثل چھت کے ہے۔ اگر چھت ہی نہیں تو مکان، مکان ہی نہیں، یعنی اگر کسی میں توحید نہیں۔ تو وہ مسلمان، مسلمان ہی نہیں، ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے کہ وہ پہلے توحید سیکھے، توحید سمجھے اور سچے دل سے اس پر کاربند ہو۔ کیونکہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ بھی توحید کے بعد ہی مفید اور نفع مند ہو سکتے ہیں۔ جس طرح دیواریں بغیر توحید کے غیر مفید ہیں ...... یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سب سے زیادہ زور توحید ہی پر دیا ہے اور توحید کے بعد ہی دوسری چیزوں کو مفید بتایا ہے۔ پھر جس طرح چاروں دیواروں میں سے اگر ایک دیوار بھی ناپید ہو یا ناقص اور نامکمل ہو تو پھر بھی محفوظ نہیں سمجھا جاتا۔ بعینہ اسی طرح اگر کوئی نماز، روزہ اور زکاۃ کا تو پابند ہو مگر استطاعت کے باوجود فریضۂ حج سے غافل ہو تو اس کا اسلام بھی ناقص اور نامکمل ہے۔ یا حج، روزہ اور زکاۃ تو موجود ہو مگر نماز کا پابند نہ ہو تو پھر بھی وہ اسلام سے اتنا ہی دور ہے اور کفر سے اتنا ہی قریب ہے جتنا اس مکان کا سامان چوروں سے قریب تر ہے جس کی ایک دیوار نہ ہو۔ جس طرح اس کی بقیہ تین دیواریں اور چھت اس کے سامان کی حفاظت اور نگرانی کی گارنٹی نہیں لے سکتیں اسی طرح اللہ اور اس کا رسول بے نماز کے اسلام کی تکمیل اور اس کی نجات کی گارنٹی نہیں لیتے۔

یہ مثال عوام کو سمجھانے کے لیے نہایت ہی موزوں تھی، نیز عوام سے خاص تعلق رکھتی تھی، اس لیے رسول مقبول ﷺ نے یہی مثال پیش کی تا کہ عوام اسے سمجھ کر اپنے اپنے اسلام کو مکمل اور محفوظ رکھنے کی فکر کریں۔

حدیث:
4

انسان کی ولادت اور اس کے بعد سعادت یا شقاوت

عَنْ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ ﷺ، حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ: «إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا وَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَهُ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَهُ، ثُمَّ يُبْعَثُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيُؤْذَنُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ، فَيَكْتُبُ رِزْقَهُ وَأَجَلَهُ وَعَمَلَهُ وَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ ثُمَّ يَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، حَتَّى لَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُ النَّارَ، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ إِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ عَمَلَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا».

جناب ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا۔ اور آپ تمام سچ بولنے والوں میں سے بڑھ کر تھے: ''(سنو) تم میں سے ہر شخص کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر اس کے بعد ایک گوشت کا لوتھڑا (مضغہ) بن جاتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے، پھر اس میں روح پھونکتا ہے اور چار باتیں لکھنے کا حکم دیتا ہے: 1 اس کا رزق 2 موت 3 عمل 4 نیک ہوگا یا بد...... پس مجھے اس

ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے کام کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے مگر تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے، وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگ جاتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (اسی طرح) ایک شخص دوزخیوں والے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی تقدیر اس پر غالب آجاتی ہے اور وہ اہل بہشت کے کام کر کے بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔"[1]

تشریح: اس حدیث میں حضور پُر نور ﷺ نے اپنی امت کو وہ باتیں بتائی ہیں جنھیں ذاتی طور پر پہلے کوئی بھی نہ جانتا تھا۔ نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ بننا تو شاید اطباء جانتے ہوں مگر روح پھونکتے ہی اس کی تقدیر کا مقدر ہو جانا بجز وحی الٰہی کے کوئی کیونکر جان سکتا تھا۔ حضور پُر نور ﷺ نے اس حدیث میں ہمارے پورے عجز اور بے بسی کا خاکہ ہی نہیں کھینچا بلکہ اللہ تعالیٰ کے کامل اختیارات کا بھی ہمیں یقین دلایا ہے۔ اس حدیث کے بیان کا اصل مقصد یہ بھی تھا کہ ہر مغرور اور متکبر انسان یہ سن لے اور سمجھ لے کہ وہ کیسے پیدا ہوا ہے۔ بھلا جو مخلوق ایک غلیظ، گندے اور بُودار پانی سے پیدا ہو اور مختلف ہیئتوں میں تبدیل ہو ہو کر تکمیل کو پہنچی ہو۔ اور اتنی بے بس ہو کہ اپنی موت و حیات پر بھی قابض نہ ہو، اپنے عمل کی مختار نہ ہو، اپنے رزق پر دست قدرت نہ رکھتی ہو وہ خدا کے سامنے کیونکر اکڑ سکتی ہے اور کس بل بوتے پر اس کی نافرمانی کرتی ہے اور اسے یہ جرأت کیونکر ہو سکتی ہے کہ وہ خدا کی نافرمانی کرے...... ہاں ہاں اس خدا کی نافرمانی جس کے دستِ قدرت میں اس کی جان ہے، اس کا رزق ہے، اس کا عمل ہے، اس کا شقی ہونا اور سعید ہونا ہے...... اصل چیز تو یہی

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 7454، و صحيح مسلم، حديث: 2643.

ہے جس کی طرف اشارہ مقصود تھا۔ مگر ساتھ ہی تقدیر کا مسئلہ بھی حل کر دیا کہ تقدیر درحقیقت اللہ تعالیٰ کے اندازے کا نام ہے۔ ہم بھی ہر کام میں ہر کاروبار میں، اندازہ لگایا کرتے ہیں مگر وہ اندازہ کبھی غلط ہوتا ہے کبھی صحیح۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ وہ سولہ آنہ صحیح ہوتا ہے، مگر اُسے حق ہے کہ اپنی مخلوق کا اندازہ لگائے۔ جس طرح ایک گھڑی ساز گھڑی کی گارنٹی دیتا ہے اسی طرح خدا اپنی مخلوق کی گارنٹی دیتا ہے جس کا نام تقدیر ہے۔ تقدیر کا مسئلہ اگرچہ بہت ہی اہم ہے، اور عام فہم نہیں ہے، تاہم کوشش کی جائے گی کہ آئندہ کسی حدیث کی شرح میں اسے اور بھی واضح کر دیا جائے۔

حدیث: 5

دین میں نئے نئے امور؟

عَنْ عَائِشَةَ ﷺ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ فِيهِ (أَوْ مِنْهُ) فَهُوَ رَدٌّ». وَ فِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ لَهُ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ».

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات پیدا کی جو دین میں نہیں وہ مردود، نامقبول ہے۔'' اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ''جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے طریق کار سے مختلف ہے۔ وہ مردود ہے۔''[1]

تشریح: یہ حدیث درحقیقت بدعت کی تعریف اور بدعت کی تردید میں وارد ہوئی ہے۔ یاد رکھیے! اسلام میں شرک کے بعد بدعت ہی وہ فعل ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب و مقہور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اوصاف میں کسی کو شریک کرنا شرک کہلاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں کسی کو شریک کرنا بدعت کہلاتا ہے، مثلاً: ایک کام حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مسلمانو یوں کرو تو ثواب ہوگا۔ اور ایک کام کسی عالم یا مولوی نے ایجاد کیا اور کہا کہ اس میں بھی ثواب ہے۔ پس وہ بدعت ہے، مثلاً: قبروں پر جا کر مُردوں کے لیے دعا کرنا سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے۔ مگر قبروں پر

[1] صحيح البخاري، حديث: 2697، وصحيح مسلم، حديث: 1718.

چراغاں کرنا، پھول چڑھانا، منت ماننا، عرس کرنا، نہ حضور ﷺ نے فرمایا نہ صحابہ نے کیا نہ اماموں نے کہا۔ اسی طرح کسی عزیز کی موت پر صدقہ خیرات کرنا جائز ہے، اور غرباء و مساکین کو کچھ دینا۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے خفیہ ایصال ثواب کرنا باعث اجر ہے جس میں نہ شہرت ہو نہ نمود و ریا مگر ہمارے موجودہ رائج رسوم و رواج کے متعلق حضور ﷺ نے قطعاً حکم نہیں دیا۔ پس ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ بدعت سے بچے اور سنت اور بدعت میں امتیاز حاصل کرے، کیونکہ جب تک کوئی شخص سنت اور بدعت میں امتیاز حاصل نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں بن سکے گا۔ جس طرح مشرک کے لیے سخت وعید ہے اسی طرح بدعتی کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے شرک اور بدعت سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

حلال وحرام اوران کے درمیان مشتبہ معاملات

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ ﷛ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ كَرَاعٍ يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى، يُوشِكُ أَنْ يُّوَاقِعَهُ. أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ فِي أَرْضِهِ مَحَارِمُهُ، أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ».

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ”حلال وحرام واضح ہیں۔ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ پس جس شخص نے مشتبہ چیزوں سے اجتناب کیا اس نے اپنے دین کو بچا لیا۔ جو شخص مشتبہ امور سے نہ بچا اور ان میں پھنس گیا تو اس کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو چراگاہ کے آس پاس چراتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ اس میں پڑ جائے۔ یاد رکھو! ہر بادشاہ کے لیے ایک چراگاہ ہوتی ہے۔ اور سن رکھو! اللہ کی چراگاہ اس کے محرمات ہیں۔ آگاہ رہنا! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے۔ جب تک وہ درست ہے سارا جسم درست رہتا ہے اور

جب وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ سنو! وہ دل ہے۔"[1]

تشریح: حلال اور حرام واضح ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر حلال اور حرام چیز کو واضح کر دیا ہے اور نبی ﷺ نے اسے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ ہاں جو چیز بیان نہ ہوئی ہو یا تمھیں معلوم نہ ہو تو وہ مشتبہ ہوگی۔ پس تمھیں حکم دیا جاتا ہے کہ ہر مشتبہ سے بھی بچے رہو، یعنی اُسے حلال تصور نہ کرو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔

سبحان اللہ! اس پر بھی کیا اچھی مثال دے دی ہے کہ جس طرح کسی کھیت کے کنارے چرنے والے جانور کو بھی تم بچاتے ہو کہ وہ اس سے دور دور رہے۔ اگر کنارے پر آ گیا تو خطرہ ہے کہ کہیں کھیت میں بھی منہ نہ ڈال دے۔ بعینہٖ اگر تم مشتبہات سے دور دور رہے اور بچے رہے تو امکان ہے کہ تم محرمات سے بھی بچے رہو گے اور اگر تم نے مشتبہات ہی سے پرہیز نہ کی تو خطرہ ہے کہ تم کہیں محرمات کو بھی استعمال نہ کرنے لگو۔ اور پھر پکڑے جاؤ۔

اب مثال سنو! اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے حقہ، تمباکو، سگریٹ کو کہیں حلال کہا ہے نہ حرام! پس یہ مشتبہ ہے اور اس حدیث کی رو سے اس قابل ہے کہ مسلمان اس سے بچے رہیں اور اس کے قریب نہ جائیں۔ اگر وہ اسے استعمال کریں گے تو ممکن ہے کہ وہ محرمات سے قریب ہو جائیں اور پھر مجرم بن جائیں۔

اس پر یہ بھی ارشاد ہوا کہ حلال اور حرام کے بارے میں مشتبہات سے بچنے سے متعلق صرف دل ہی کو سمجھانا ہے اور دل ہی کی اصلاح کرنا ہے۔ اگر دل درست ہوگیا اور اللہ کے احکام کے سامنے جھک گیا تو بس خیر ہی خیر ہے اور اگر دل ہی نہ مانا دل ہی متردد رہا تو پھر اس سے کسی حکم کی بھی اطاعت نہیں ہوگی کیونکہ دل سارے وجود کا بادشاہ ہے۔ وہ جس اعضاء کو جو حکم چاہتا ہے دیتا ہے اور وہ عضو اس کے منشاء پر اس کی اطاعت کرتا ہے۔ پس

---

1. صحيح البخاري، حديث: 52، و صحيح مسلم، حديث: 1599.

اگر دل اللہ کے سامنے جھک گیا اور مسلمان بن گیا تو سارا وجود مسلمان بن جائے گا اور اگر دل پھرا رہا تو سارا وجود اسلام سے پھرا رہے گا۔

حدیث: 7

دین خیر خواہی کا نام ہے!

وَعَنْ تَمِيمِ الدَّارِيِّ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «الدِّينُ النَّصِيحَةُ» قُلْنَا: لِمَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ».

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دین نصیحت ہے۔'' ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ کس کی؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ اور اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے اماموں اور عام امت کی۔''[1]

تشریح: یعنی نصیحت ہی دین ہے۔ یا بالفاظ دیگر دین از سرتا پا یا از الف تا یا نصیحت ہی نصیحت ہے۔ ظاہر ہے کہ نصیحت ہمیشہ نیک ہی امر کی ہوتی ہے اور نیکی ہی کی دعوت ہوتی ہے، خصوصاً جبکہ وہ اللہ کی طرف سے ہو، اللہ کے رسول کی جانب سے ہو، اس کے نائبوں کی طرف سے ہو، وہ کیونکر بری ہوسکتی ہے۔ وہ تو سب سے اچھی اور بہتر ہوگی۔ اس لیے اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دین کی کوئی بات بھی ہو بُری نہیں ہوسکتی۔ وہ اچھی ہی اچھی ہوگی۔ اس لیے اسے قبول کرنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے اور نہ ہی اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض ہونا چاہیے۔ خواہ عقل اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ بروقت ہر نصیحت کو بھی عقل بہت ہی کم قبول کرتی ہے مگر بعد میں خود بخود پتہ چل جاتا ہے کہ کہنے

[1] صحیح مسلم، حدیث: 55.

والے نے بات تو بہت اچھی کہی تھی مگر میں نے وقتی جذبات یا ہنگامی تاثرات کے تحت اسے قبول نہ کیا۔ یہی عذرات دینی امور کے قبول کرنے میں حائل ہوتے رہتے ہیں۔ اس لیے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین تو نصیحت ہی نصیحت ہے۔ اسے قبول کرنے میں حیل وحجت سے کام نہ لینا بلکہ اسے قبول کر کے خود بھی فائدہ اٹھانا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچانا۔

حدیث: 8

جہاد وقتال کا ایک مقصد

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ».

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لوگوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ اس امر کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔ نماز قائم کریں۔ اور زکاۃ ادا کریں۔ جب وہ یہ کام کریں (یعنی ایمان لے آئیں) تو اسلام کے حق کے سوا ہر طرح سے ان کی جانیں اور مال امان میں آ گئے۔ تو پھر اُن کا معاملہ اللہ بزرگ و برتر کے حوالے ہے۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ جہاد صرف کفار ہی سے ہوسکتا ہے اور کسی سے جنگ جائز نہیں۔ جہاد کے لیے اسلام نے جو حکم دیا ہے تو اس کی لم اور حکمت یہ ہے کہ دنیا میں صرف كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ہی کا اعلان ہو، اللہ ہی کے دین کا بول بالا ہو اور صرف اللہ ہی کا قانون نافذ ہو۔ مسلمان نہ زر چاہتا ہے نہ زمین، نہ اُسے حکومت کی خواہش ہے

[1] صحيح البخاري، حديث: 25.

نہ مملکت کی ہوس۔ وہ تو اللہ ہی کی زمین میں اللہ کا قانون نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے لڑتا ہے اور اسی لیے مرتا ہے۔ اگر مسلمان کی خواہش بھی زر یا زمین ہی کی ہو یا اپنی شخصی حکومت کے لیے لڑے تو پھر وہ جہاد نہیں ہوگا بلکہ جنگ ہوگی جس کا اسے اجر ملے گا نہ ثواب، اس لیے پہلے مسئلہ جہاد کی حقیقت سمجھیے، پھر اس پر اعتراض کیجیے۔ اعلان جہاد سے پہلے جو حضور نبی کریم ﷺ کفار کو الٹی میٹم دیتے تھے اس میں تین باتیں ہوتی تھیں: [1] اسلام قبول کر لیجیے۔ اور اپنی سرزمین پر آپ حکومت کیجیے۔ ہماری خواہش آپ سے حکومت چھیننا نہیں ہے بلکہ محض اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنا ہے۔ [2] اگر آپ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر ہمارے زیر نگیں ہو کر رہیے۔ ہم تمھاری حفاظت کریں گے، خواہ تم کافر ہی کیوں نہ ہو، مگر ملک میں اسلامی قانون نافذ ہوگا۔ [3] اگر آپ کو یہ دونوں شرطیں منظور نہ ہوں تو پھر جنگ کر لیجیے۔ اللہ جسے غلبہ دے وہ اپنا قانون نافذ کر لے۔ اللہ اللہ خیر صلّٰی۔ اب فرمایئے! اس میں کون سا تشدد ہے؟ کون سا جبر ہے؟ جس کے لیے جہاد کو برا کہا جائے۔ آپ دنیا کے لیے لڑتے ہیں، دنیا کے لیے مرتے ہیں اور لڑنے مرنے کو جائز تصور کرتے ہیں۔ مگر ہم جو دین کے لیے لڑتے ہیں اور اسلام کے لیے مرتے ہیں تو آپ اسے ناجائز سمجھتے ہیں اور جبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟؟؟

حدیث: 9

بال کی کھال اتارنے والے سوالوں سے اجتناب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷛ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَ اخْتِلَافُهُمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِهِمْ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا: آپ فرما رہے تھے: ''جس چیز سے میں تمھیں روک دوں اس سے رک جاؤ اور جس چیز کے کرنے کا حکم دوں وہ کیا کرو۔ جہاں تک تمھارے امکان میں ہو (زیادہ کریدنہ کیا کرو۔) تم سے پہلے کئی قومیں محض کثرت سوالات (چون و چرا اور کج بحثیوں) کی وجہ سے اور انبیاء سے اختلاف کرنے کی بنا پر ہلاک ہوچکی ہیں۔''[1]

تشریح: اس حدیث میں ایک گونہ اطاعتِ انبیاء کی تلقین کی گئی ہے اور کج بحثیوں سے روکا گیا ہے۔ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں تو اس پر بال کی کھال اُتارنے لگتے ہیں۔ اتنی موشگافیاں کرتے ہیں کہ الا مان والحفیظ ...... خواہ مخواہ بات کو بڑھاتے جانا اور فقیہانہ انداز میں مسئلے سے مسئلہ نکالتے جانا کسی صورت بھی روا نہیں ہے۔ ایک شخص آتا ہے اور حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا ہے کہ آیا حج فرض ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ وہ پھر پوچھتا ہے کہ آیا ہر سال فرض ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اُس

1۔ صحيح البخاري، حديث: 7288، و صحيح مسلم، حديث: 1337.

نے پھر کہا: حضور جو شخص مالدار ہو کیا وہ ہر سال حج کرتا رہے؟ آپ ﷺ پھر خاموش رہے اور تھوڑی دیر بعد فرمایا: ''اگر میں ہاں کہہ دیتا تو امت پر مصیبت پڑ جاتی اور ہر شخص پر ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ تم زیادہ سوال نہ کیا کرو۔ جو بات میں کہہ دوں وہ مان لو اور جس سے روک دوں رک جایا کرو کیونکہ انبیائے کرام (یا نائبین انبیاء) پر کثرت سے سوال کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے لوگ اسی طرح کرتے رہے اور روکنے کے باوجود نہ رکے تو زیر عتاب آئے اور ہلاک ہو گئے۔''

حرام کے استعمال سے دعائیں قبول نہیں ہوتیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَبِهِ الْمُرْسَلِيْنَ فَقَالَ: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴾ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَآءِ يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ وَ غُذِيَ بِالْحَرَامِ فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیزیں ہی قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے وہی مومنوں کو دیا ہے۔ (چنانچہ رسولوں سے) فرمایا ہے: ''اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو بے شک تم جو عمل کرتے ہو میں جانتا ہوں۔'' اور اسی طرح فرمایا: ''اے ایمان والو! ہم نے تمھیں جو پاک چیزیں عطا فرمائی ہیں وہ کھاؤ۔'' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بطور مثال) ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر طے کر کے آتا ہے۔ اس کے بال پراگندہ اور غبار آلود ہیں وہ آسمان کی طرف اپنے ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے: اے میرے پروردگار! اے میرے پالنہار! حالانکہ اس کا کھانا بھی حرام ہے، لباس بھی حرام کا ہے اور

غذا بھی مالِ حرام سے ہے۔ پھر ایسے انسان کی دعائیں کیسے قبول کی جاسکتی ہیں؟‘‘[1]

تشریح: اس حدیث کا مضمون نہایت صاف اور واضح ہے، مثلاً:

1. اللہ تعالیٰ کا قانون ایک ہی ہے جو ساری مخلوق کے لیے یکساں ہے۔ خواہ وہ نبی ہوں یا اُمتی، ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ، چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اس کے احکام اور قانون میں کوئی فرق نہیں۔ اگر عوام کو عبادت اور نماز کا حکم ملا ہے تو وہی حکم انبیاء، صلحاء، اولیاء کو بھی دیا گیا ہے۔ اگر انبیاء کو پاک رہنے، طیب اور حلال کھانے کا حکم دیا گیا ہے تو عوام کو بھی یہی حکم ہے کہ وہ حرام اور خبیث سے بچے رہیں۔

2. حلال اور طیب غذا ہی قبولیت دعا کا باعث بنتی ہے۔ اگر غذا طیب نہیں تو قبولیت دعا کی بھی امید نہیں، چنانچہ مثال دے کر فرمایا کہ مسافر کی دعا خدا قبول کرتا ہے، خصوصاً جبکہ وہ پراگندہ حال ہو۔ مگر ایسا مسافر جس کی نہ غذا حلال سے ہو اور نہ لباس طیب، وہ اس بشارت سے بھی محروم رہتا ہے۔ بعض اوقات قبولیت کے ہوتے ہیں اور بعض مقام بھی قبولیت دعا کے لیے مخصوص ہیں۔ مگر جس کا کھانا پینا حرام ہوگا اس کے لیے نہ وہ وقت ہی کارگر ہوسکتا ہے نہ مقام ہی کچھ اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اصل چیز تو غذا ہے جس کی اُس نے پروا نہیں کی۔ اب اللہ تعالیٰ اس کی پروا کیوں کرے۔

3. ایک مقام پر فرمایا کہ جس طرح کسی پرندے کے دو پر ہوتے ہیں اور وہ اُن پروں ہی سے اڑتا ہے۔ جس کے پر نہ ہوں یا ایک پر ٹوٹا ہوا ہو۔ وہ کیونکر اُڑے گا؟ اسی طرح دعا کے بھی دو پر ہیں: 1 اکل حلال 2 صدق مقال، یعنی حلال کھانا اور سچ بولنا۔ جس آدمی کے اندر یہ دو وصف نہ ہوں اس کی دعا شکستہ پر پرندہ کی مثل ہے، وہ کیونکر پرواز کرے گی اور بارگاہ الٰہی تک پہنچ سکے گی۔

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1015.

مشکوک معاملات سے کنارہ کشی

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ سِبْطِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَرَيْحَانَتِهِ، قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ «دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يَرِيبُكَ».

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، جو آنحضرت ﷺ کے نواسے اور چمن رسالت کے پھول ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے یہ سنا، پڑھا اور حفظ کیا کہ ''جو چیز مشکوک ہو اور تذبذب میں ڈالے وہ چھوڑ دو اور جس چیز میں کوئی شک وشبہ نہ ہو وہ لے لیا کرو۔''[1]

تشریح: یہ حدیث ان لوگوں کو زیادہ پیش نظر اور ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے جو مشکوک چیزوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ وہ شک وشبہ کی چیزیں، خواہ کھانے پینے سے متعلق ہوں، خواہ بولنے اور سننے سے متعلق ہوں، خواہ چلنے پھرنے، سونے، جاگنے، رہنے سہنے کاروبار تجارت، ملازمت، زراعت کسی بھی شعبۂ حیات سے متعلق کیوں نہ ہوں اگر ان کی حلت اور حرمت واضح نہ ہو، اُن کے متعلق کوئی شبہ ہو، تذبذب ہو تو ہر ایک مسلمان کو اس سے مجتنب رہنا چاہیے۔ اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو ملوث نہ کر لینا چاہیے۔

[1] جامع الترمذي، حديث: 2518.

حدیث: 12

اسلام کا حسن: بے مقصد باتوں، کاموں اور سرگرمیوں سے اجتناب

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ، تَرْكُهُ مَالَا يَعْنِيهِ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ غیر مفید امور کو چھوڑ دے۔''[1]

تشریح جب کوئی آدمی مسلمان بن جاتا ہے، یعنی کفر چھوڑ کر اسلام میں آجاتا ہے، تو اس میں یہ خوبی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ لغویات سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ اور بے معنی و لایعنی باتیں چھوڑ دیتا ہے۔ برعکس اس کے جب آپ دیکھیں کہ کوئی مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود لغویات میں مبتلا ہے اور لا یعنی امور میں دل لگائے بیٹھا ہے تو سمجھ لیجیے کہ سچا مسلمان نہیں ہے اور ابھی اسلام سے کوسوں دور ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے اوصاف میں سے یہ ایک وصف بیان فرمایا ہے یا بالفاظ دیگر یوں سمجھیے کہ ہمیں سمجھایا ہے تمھیں ایسا ہونا چاہیے اور یہ وصف اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے۔

[1] جامع الترمذي، حديث: 2317.

حدیث: 13

دوسرے کے لیے وہی کچھ پسند کریں جو اپنے لیے کرتے ہیں

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ».

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند نہ کرے، جو اپنے واسطے پسند کرتا ہے۔''[1]

تشریح: اس حدیث میں ہمیں باہمی محبت، اخوت اور مروت کی تلقین کی گئی ہے، اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ تم ہر بھائی کے لیے وہی چیز پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔ اگر ایسا ہو جائے، یعنی ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنے ہی جیسا سمجھنے لگے اور اس کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو دنیائے اسلام سے نہ صرف بغض، عناد، مخالفت، شرارت اور فساد ہی کا خاتمہ ہو جائے بلکہ تمام برائیوں کا استیصال ہو جائے۔ نہ کوئی شخص کسی کی حق تلفی کرے، نہ چوری کرے، نہ غیبت کرے کیونکہ جب کوئی اپنے لیے اسے پسند نہیں کرسکتا کہ کوئی اس کا حق مارے، اس کی چوری کرے یا اُسے برا بھلا کہے، اُسے گالی دے، اس کی توہین کرے تو وہ دوسروں کے لیے کیونکر اسے گوارا کرے گا۔ اسی طرح جب کھانے، پینے، پہننے اور رہنے سہنے کے لیے ہر کوئی پسند کرتا ہے کہ اُسے اچھی چیز ملے تو وہ

[1] صحيح البخاري، حديث: 13، و صحيح مسلم، حديث: 45.

دوسروں کے لیے اچھی ہی چاہے گا۔ بُری چیز نہ انھیں دے گا نہ اس فعل کو اچھا سمجھے گا۔ پس جب ایک شخص دوسرے کے متعلق ایسا کرے گا تو یقیناً پھر دوسرا بھی اس کے متعلق ایسا ہی کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا ماحول اچھا ہو جائے گا۔ اور اسلام میں جو بھی آئے گا اسی رنگ میں رنگا جائے گا۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ دورِ اول میں ایسے ہی ہوا اور اسلاف اسلام میں یہی منظر نظر آتا رہا...... مگر جب سے ہم جیسے مسلمان (جو برائے نام مسلمان ہیں) پیدا ہوئے تو کایا ہی پلٹ گئی۔ نہ اسلامی تعلیم رہی اور نہ ہی اسلامی تعلیم کا اجرا اور اس پر عمل رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حدیث: 14

قتلِ مسلم کی تین وجوہات

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِيءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلٰثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ».

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی توحید اور میری رسالت کی گواہی دینے والے مسلمان کو قتل کرنا، اس کا خون گرانا جائز نہیں مگر تین سبب سے: [1] شادی شدہ زانی ہو [2] کسی کو قتل کیا ہو، اس کا بدلہ لینا ہو۔ [3] مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو کر مرتد ہو گیا ہو۔''[1]

تشریح: دنیا میں باہمی جنگ و جدال اور قتل و غارت کا سلسلہ جو چلا آ رہا تھا اس حدیث سے اس کا خاتمہ ہو گیا۔ دیکھیے حضور ﷺ نے کس خوبی سے دنیوی اغراض و مقاصد کی بنا پر قتل و غارت کا سلسلہ بند کر دیا۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض بیوقوف مسلمان ہونے کے باوجود ابھی تک اس راز کو نہیں سمجھ سکے یا نہیں پا سکے۔ مگر حقیقت یہی ہے جو حضور ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ اسلام میں کسی کا قتل روا نہیں اور کسی کا خون جائز نہیں، نہ عوام کے لیے نہ خواص کے لیے نہ راعی کے لیے مگر تین صورتوں میں اور وہ بھی حاکم وقت یا قاضی شرع ہی کر سکتا ہے۔ عوام کو اس کا حق بھی حاصل نہیں۔ یہ اس لیے کہ کسی کی جان تحقیق کے بعد

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1676.

ہی لی جاسکتی ہے اور صحیح تحقیق حاکم وقت ہی کرسکتا ہے، دوسرا ان کا مجاز کیونکر ہوسکتا ہے؟

1. جب یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شادی شدہ نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو اُسے سنگسار کر دیا جائے، یعنی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، تاکہ زنا کے جراثیم پھیلنے نہ پائیں۔ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ نہ لائے اور زنا کا مرض عام نہ ہونے پائے۔

2. جب کوئی کسی کو ناحق قتل کرے تو اس کی سزا یہی ہے کہ اُسے بھی دنیا سے نابود کر دیا جائے تاکہ آئندہ کوئی اس حرکت کا ارتکاب نہ کرنے پائے۔ ہر کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ قتل کی سزا قتل ہی ہے۔ کسی کو قتل کرنے کے بعد خود زندہ رہنا بہت ہی دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

3. مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہو کر پھر اس سے الگ ہو جانا، یعنی اسلام کو سچا دین جان کر اور مان کر اس سے منحرف ہو جانا اور کفر کی جانب مائل ہونا سیاسی نقطہ نگاہ سے وہ جرم ہے کہ اس کی سزا بھی موت اور قتل سے کم نہیں۔ اور یہ سزا بھی حکومت ہی دے سکتی ہے۔

پس یہ کہہ کر دنیا سے ایک گونہ قتل و غارت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔

حدیث: 15

اللہ اور آخرت پر ایمان کے چند تقاضے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز جزا پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ جب بات کہے تو اچھی کہے ورنہ خاموش رہے۔ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے ہمسایہ کی عزت و توقیر کرے۔ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اسے لازم ہے کہ اپنے مہمان کا احترام واعزاز کرے۔“[1]

تشریح: اس حدیث میں ہر مومن کے لیے تین امور لازم قرار دیے گئے ہیں۔ اور بار بار اس کے ایمان کا حوالہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔

1. جب منہ کھولو، اچھا بول بولو، ورنہ خاموش رہو کہ خاموشی بجائے خود نیکی ہے اور نیکی چھوڑ کر بُرے بول بولنا اپنے آپ کو آپ مورد الزام بنانا اور جہنم مول لینا ہے۔
2. ہمسائے کی عزت دلیل شرافت ہے اور مومن چونکہ شریف ہوتا ہے اور شرافت کی تلقین اس کا فرض ہے، اس لیے وہ اس کا ثبوت اپنے پڑوس اور گلی کوچوں ہی سے فراہم کرتا

[1] صحيح البخاري، حديث: 6475، و صحيح مسلم، حديث: 47.

ہے۔ اگر اس کے ہمسائے اس پر خوش ہوئے تو وہ بازی لے گیا، اگر اس کے ہمسائے اس سے تنگ ہوئے تو مارا گیا۔

3 مہمان کی عزت اگرچہ اپنی عزت ہے۔ مگر عام طور پر اس کی عزت محض اس لیے کی جاتی ہے کہ جب ہم اس کے ہاں گئے تو وہ بھی ہم سے ایسے ہی پیش آئے اور ایسا ہی سلوک کرے۔ تو ایسی عزت اور ایسا احترام لغو ہے۔ اسلام میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ پس مہمان آپ کا ہو یا کسی دوسرے بھائی کا اس کا احترام محض اسلام کی خاطر ہو۔ کسی دنیوی طمع اور لالچ کے لیے نہ ہو تو اس میں اجر ہے اور ثواب۔ اس لیے اسلام تلقین کرتا ہے کہ ذاتی اغراض و مقاصد سے بالا ہو کر میری خاطر ایک دوسرے کا اعزاز و احترام کرو۔ چنانچہ اس مضمون کو ایک دوسری حدیث: اَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ میں کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ تمھاری کسی سے محبت بھی ہو تو اللہ ہی کے لیے ہو۔ اور کسی سے عداوت بھی ہو تو اللہ ہی کے لیے ہو کیونکہ جیسا تم خود اللہ کے ہو گئے تو پھر تمھارا سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہونا چاہیے۔

حدیث: 16

غصہ نہ کیا کرو!!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَوْصِنِي، قَالَ: «لَا تَغْضَبْ» فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ: «لَا تَغْضَبْ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور رسول مقبول ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ ''غصہ نہ کیا کر۔'' اس نے کئی مرتبہ یہی عرض کیا (کہ مجھے کچھ اور نصیحت کیجیے۔) مگر آپ یہی فرماتے رہے کہ غصہ نہ کیا کر۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکثر حضور ﷺ کے پاس آتے اور کچھ نہ کچھ نصیحت طلب کرتے اور آپ بھی ان کو ان کے حسب حال نصیحت فرمایا کرتے۔ آپ چونکہ مردم شناس تھے، نفسیات کے ماہر تھے، ہر ایک کا مزاج پہچانتے تھے، اس لیے جس کسی کو جیسی نصیحت موزوں خیال کرتے وہی تلقین فرماتے۔ یہ سائل جو آپ سے نصیحت کا سوال کر رہا تھا بہت ہی مغلوب الغضب ہوگا۔ اس لیے آپ اس کو بار بار یہی نصیحت فرماتے رہے کہ میاں! غصہ چھوڑ دو۔ اسی میں تمھاری فلاح ہے اور اسی میں تمھاری نجات ہے۔ بظاہر تو یہ نصیحت بہت ہلکی معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت میں اس سے بہتر کوئی نصیحت نہیں ہے۔ غصہ ہی تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ اگر غصہ جاتا رہا یا کسی کو غصہ پر قابو پانا آ گیا تو اس نے اپنے غصہ پر کنٹرول حاصل کر لیا تو...... سب کچھ پا لیا اور جنت میں گھر بنا لیا۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 6116.

حدیث: 17

انسان تو کیا حیوانوں کے ساتھ بھی احسان

عَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ».

جناب شداد بن اوس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر نیکی کو لازم کیا ہے۔ (لہٰذا) تم اگر کسی کو (اللہ کی حد نافذ کرتے ہوئے) قتل کرو تو احسن طریق سے قتل کرو۔ اور جب کسی جانور کو ذبح کرنے لگو تو اچھے طریق سے ذبح کرو۔ یعنی تم میں سے ہر ایک کو اپنی چھری تیز کر لینی چاہیے۔ اور ذبیحہ کو دکھ نہیں سکھ پہنچانا چاہیے۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ انسان کسی کو دکھ نہ پہنچائے۔ اور کسی کا دل نہ دکھائے حتیٰ کہ جب کسی سے لڑے تو بھی اس امر کا خیال رکھے کہ اسے ضرب شدید نہ پہنچے یا وہ کُڑھ کُڑھ کر نہ مرے۔ انسان تو رہا انسان جانوروں کے متعلق بھی یہی حکم دیا کہ انھیں بھی تنگ نہ کرو۔ ذبیحہ کے وقت بھی چھُری ایسی لو جو تیز تر ہو۔ کند نہ ہو کہ جانور تکلیف پائے اور سسک سسک کر جان دے۔ اکثر ذبح کرنے والے ایسے ہی ہوتے ہیں جو چھُری کی پروا نہیں کرتے۔ تیز ہو یا کند وہ رگڑ رگڑ کر جانور ذبح کر

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1955.

ہی لیتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ذبح کے وقت بھی جانور کو تنگ نہ کرو، مطلب یہ کہ اللہ کی ہر مخلوق کے ساتھ نیکی کرو۔ نیک سلوک سے پیش آؤ اور سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ڈر اور لوگوں سے اچھا برتاؤ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ وَ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُ مَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ».

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ گناہ (ہو جائے تو اس) کے بعد نیکی ضرور کیا کرو وہ نیکی گناہ کو مٹا دے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔''[1]

تشریح: اس حدیث میں تین باتوں کی تلقین کی گئی ہے۔

اول: یہ کہ جہاں کہیں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہ نہ سمجھو کہ ڈرنے کا مقام صرف مسجد ہے۔ مسجد آئے نماز پڑھی اور دو آنسو بہا لیے، پھر گھر گئے، بازار گئے تو دنیا بھر کی شرارتیں کر لیں۔ نہیں، نہیں۔ ہر مقام اللہ سے ڈرنے کا ہے۔ گھر میں ہو یا مسجد میں، دکان پر ہو یا دفتر میں، کسی مجلس میں ہو یا تنہائی میں سبھی مقام اللہ سے ڈرنے کے ہیں۔ اگر اللہ کا ڈر دل میں پیدا ہو جائے تو پھر انسان ہر گناہ سے بچے گا۔ حلال حرام میں تمیز کرے گا اور جائز ناجائز میں امتیاز کرے گا۔ مکروہات اور مباحات کو جانچے گا اور مشتبہات سے اجتناب کرے

[1] جامع الترمذي، حديث: 1987.

گا۔ اور تقویٰ اختیار کر کے دین و دنیا میں فائز المرام ہوگا۔

دوم: ارشاد ہوا کہ ہر گناہ کے بعد نیکی ضرور کرو کہ نیکی سے گناہ مٹ جاتا ہے۔ صدقہ سب نیکیوں میں سے نمایاں نیکی ہے۔ بعض صحابہ سے جب کبھی گناہ ہو جاتا تو اس کے بعد صدقہ دیتے کہ اس سے گناہ مٹ جاتا ہے۔ نماز پڑھنا بھی نیکی ہے، روزہ رکھنا بھی نیکی ہے، اگر کسی گناہ کے بعد روزہ رکھ لیا جائے یا نوافل پڑھے جائیں تو یقیناً گناہ مٹ جائے گا۔

سوم: یہ فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ باخلاق حسنہ پیش آؤ سختی کی بجائے نرمی اختیار کرو۔ بدلہ اور انتقام لینا چھوڑ دو۔ معاف کرنا سیکھو کہ ع

معافی سے بہتر نہیں کوئی شے

ہر کسی سے ہنس کر بولو، بہ کشادہ پیشانی ملو، کبھی ماتھے پر تیوری نہ چڑھاؤ۔

نصیحتِ نبوی کے گراں مایہ پہلو

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ ؓ قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: «يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ وَ إِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِاجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَلَوِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ» رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ قَالَ: حَسَنٌ صَحِيحٌ وَ فِي رِوَايَةِ غَيْرِ التِّرْمِذِيِّ «اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللّٰهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ، وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِّيُصِيبَكَ وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ وَ أَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا».

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت ﷺ کے پیچھے (ایک سواری پر بیٹھا) تھا کہ آپ نے مجھے فرمایا: ''لڑکے میں تجھے چند باتیں سکھاتا ہوں: [1] تو اللہ تعالیٰ کے حقوق کی حفاظت کر وہ تیری حفاظت کرے گا۔ [2] تو اس کو یاد کر۔ تو اُسے اپنے سامنے پائے گا۔ [3] جب تجھے کچھ مانگنا ہو تو خدا ہی سے مانگ۔ [4] جب کسی مدد کی ضرورت ہو تو خدا ہی سے مدد مانگ۔ [5] خوب جان

لے کہ اگر ساری مخلوق جمع ہو جائے کہ تجھے نفع پہنچائے تو ہرگز نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقرر کر دیا ہے۔ 6 اگر ساری مخلوق (اس امر پر) جمع ہو جائے کہ تجھے نقصان پہنچائے تو ہرگز نہیں پہنچا سکتی مگر وہی جو خدا تیرے لیے لکھ چکا ہے۔ 7 قلم اُٹھا لیے گئے اور رجسٹر خشک کر دیے گئے۔ (امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ ایک دوسری روایت میں یوں بھی آیا ہے کہ) 8 اللہ پر نگاہ رکھ تو اُسے سامنے پائے گا۔ 9 تو فراخی میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھ وہ سختی کے عالم میں تیری طرف توجہ رکھے گا۔ 10 یہ جان لے کہ جو چیز خطا ہوگئی اسے خطا ہی جانا تھا۔ اور جو تجھے پہنچنی تھی وہ ضروری پہنچ کر رہے گی۔ 11 اور جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ 12 اور کشود کار محنت کے ساتھ ہوتی ہے۔ 13 اور ہر تنگی کے بعد آسانی آتی ہے۔"[1]

تشریح: اگرچہ یہ نصیحتیں بظاہر حضور ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فرمائیں۔ مگر درحقیقت یہ ساری امت ہی کے لیے ہیں۔ ذرا غور فرمائیے۔ حضور ﷺ کس محبت سے فرما رہے ہیں:

1. تم اللہ تعالیٰ کے حقوق کی نگہداشت کرو وہ تمھاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کے حقوق کیا ہیں؟ اس کی عبادت کرنا اور شرک سے بچنا۔ اسی سے ہر شے مانگنا اور اس کے سوا کسی کو حاجت روا اور مشکل کشا نہ سمجھنا۔
2. تم اسے یاد کرو تو اُسے اپنے پاس پاؤ گے، یعنی یہ کبھی نہ سمجھو کہ اللہ دور ہے ہماری نہیں سنتا بلکہ وہ شہہ رگ سے بھی قریب ہے۔ تم جب اسے پکارتے ہو وہ سنتا ہے اور تمھاری دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔
3. جب تمھیں کچھ مانگنا ہو خدا ہی سے مانگو۔ اس کے سوا کسی سے نہ مانگو۔

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 2516، و شعب الإيمان: 203/7، ومسند أحمد: 307/1.

وہ کیا ہے جو نہیں ہوتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے
خدا کے ہوتے بندوں سے بھی کہنا یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

❹ مدد ہمیشہ اللہ ہی سے مانگو وہی سب کا مددگار ہے۔ وہی ناصر ونصیر ہے۔ اس کے سوا کوئی کسی کی مشکل حل نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہوسکتا ہے۔

❺، ❻ اگرچہ ایمان سب کا یہی ہے

ع ساری خدائی یک طرف فضل الٰہی یک طرف

مگر افسوس کہ عمل اس کے خلاف ہے۔ اگر یہ چیز سب کے عمل میں آجائے تو شرک کا استیصال ہو جائے۔ اور ہر طرف توحید ہی توحید نظر آئے کہ اللہ جب کسی کو نقصان پہنچائے تو کوئی اسے روکنے والا نہیں۔ اور جب وہ کسی کو نفع پہنچانے پر آجائے تو کوئی اسے روکنے والا نہیں۔

❼ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کرنا ہے وہ پہلے ہی سے اس کے علم میں ہے۔ پہلے ہی سے ہر چیز مقدر ہو چکی ہے۔ لکھی جا چکی ہے۔ یہی مطلب ہے قلم اُٹھا لینے کا اور رجسٹروں کے خشک ہو جانے کا۔

❽ نمبر 6 کو دہرایا گیا ہے کہ اسی میں ایمان کی تکمیل ہے۔

❾ فراخی میں اللہ کی طرف توجہ رکھنے سے مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری مالی حالت اچھی ہو تو عزیزوں کی طرف خیال رکھو، صدقہ خیرات دیتے رہو۔ اپنی دولت میں ان کا بھی حصہ سمجھو۔ دن سدا یکساں نہیں رہتے۔ یہ ہرتے پھرتے ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ جب تمھاری حالت نازک ہو گی تو پھر خدا بھی تمھاری طرف توجہ دے گا۔ جلد تمھاری مدد کرے گا اور پھر حالت بدل دے گا۔

❿ اپنی تقدیر پر شاکر رہو۔ جو ہونا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ جو ضرر پہنچنا ہے وہ پہنچ کر رہے ہے

گا۔ تقدیر کے سامنے کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوگی۔

- اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ پس اگر اللہ کی معیت چاہتے ہو اور اُس کی معاونت کے طلب گار ہو تو ہر مصیبت پر صبر کی عادت اختیار کرو اور صبر ہی سے کام لیتے رہو۔
- کاہلی سستی چھوڑ دو۔ محنت کرو اور خوب محنت کرو کہ محنت ہی سے سب مشکلیں حل ہوا کرتی ہیں۔ محنت سے کبھی جی نہ چراؤ کہ محنت سے جی چرانا مسلمان کا شیوہ نہیں ہے۔
- یہ قانون قدرت ہے جو آج تک نہ بدلا ہے نہ آئندہ بدلنے کی توقع ہے۔ ہر تنگی کے بعد آسانی ہے اور ہر آسانی کے بعد تنگی کا آنا بھی لازمی ہے۔

ع ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال

﴿وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾ [1]

1. آل عمرٰن 3:140، (اور یہ ایام ہیں ہم انھیں لوگوں کے درمیان پھیر پھیر کر لاتے ہیں۔)

شرم وحیا کی اہمیت

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْبَدْرِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ».

حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''پہلے نبیوں کی باتوں میں سے جو بات مسلسل لوگوں نے نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ جب تجھے شرم وحیا نہ رہے تو پھر جو چاہے کیا کرو۔'' [1]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پہلے نبی اپنی اُمتوں کو مسلسل یہ کہتے چلے آئے ہیں، یعنی یہ بات اتنی مستحکم، مضبوط اور تواتر سے ثابت ہے کہ اس کی صحت، خوبی اور عمدگی میں ذرا بھر شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اس لیے میں تمھیں یہ کہتا ہوں کہ شرم بڑی اچھی چیز ہے ہر دم حیا اور شرم کو پیش نظر رکھنا، ایسا نہ ہو کہ شرم چھوڑ کر بے شرم ہو جاؤ۔ اگر تم نے شرم کی چادر اتار پھینکی تو پھر تمھاری یہ حالت ہوگی کہ شرم کبھی تمھارے نزدیک نہ آئے گی۔ تم اتنے بے حیا اور بے شرم ہو جاؤ گے کہ جو جی میں آئے گا کرتے پھرو گے ...... یہ ایک گونہ تنبیہ ہے۔ خطرے کا الارم ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے تم بے شرم ہو جاؤ اور شرم کی چادر اتار پھینکو، اگر تم نے ایسا کیا تو پھر پورے پورے بے حیا بن جاؤ گے ...... پس انسان کو چاہیے کہ جب کسی برے کام کا خیال اس کے دل میں آئے تو اللہ سے حیا کرے اور رک جائے۔

---

1. صحيح البخاري، حديث: 6120.

مخلوق سے شرم کرے اور بچ جائے کہ حیا ہی برے کاموں سے روکنے والی چیز ہے۔ اس لیے ایک دوسرے حکم پر ارشاد ہوا ہے کہ اَلْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيْمَانِ "حیا تو ایمان کی ایک شاخ ہے۔"

استقامت

عَنْ سُفْيَانَ بنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ. قَالَ: «قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ».

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی چیز بتلا دیجیے کہ مجھے پھر آپ کے سوا کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کہو! میں اللہ پر ایمان لایا بس پھر اسی پر جم جا۔''[1]

تشریح: ایمان پر جم جانا ہی تو اسلام کی اصل اور جان ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لے آئے مگر اس کی طبیعت میں اس پر استحکام اور استقلال نہ ہو تو وہ ایمان کس کام کا؟ آج یہی نقص ہے۔ یہی کمی ہے جو ہم میں پائی جاتی ہے کہ ایمان تو لے آئے مگر اس پر جمنا نہیں جانتے۔ ایسے ڈھل مل یقین ہو رہے ہیں کہ صبح کچھ ہو تو شام کچھ۔ جیسا کہ ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایک وقت آئے گا مسلمان دن کو مومن ہوگا تو رات کو کافر...... اگر رات کو مومن ہوگا تو دن کو کافر «يُصْبِحُ مُؤمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا».

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو ایسے پکے مومن تھے کہ کوئی بڑی سے بڑی ابتلا بھی ان کے ایمان کو

[1] صحیح مسلم، حدیث: 38.

ڈگمگا نہ سکتی تھی۔ ایمان کا ڈگمگانا عمل کی کوتاہی سے معلوم ہو سکتا ہے کیونکہ ایمان کوئی دکھائی دینے والی چیز تو ہے نہیں۔ ایمان کی کیفیت اور اس کی حیثیت عمل ہی سے نمایا ہوتی ہے۔ ایمان کی مضبوطی عمل کی پختگی پر ہی منحصر ہے اور اسی کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

حدیث:
22

نماز، روزے کا اہتمام اور حلال وحرام کی تمیز

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ وَصُمْتُ رَمَضَانَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَ حَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَلَمْ أَزِدْ عَلٰى ذَالِكَ شَيْئًا أَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: «نَعَمْ».

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں فرض نماز پڑھتا ہوں۔ رمضان کے روزے رکھوں اور حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانوں اور اس پر کچھ زیادہ نہ کروں تو کیا بہشت میں داخل ہو جاؤں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں آنحضرت ﷺ نے بھی ادائیگی فرائض پر ہی زور دیا اور صحابہ کرام نے بھی اس پر توجہ دی تھی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اصل شے تو فرائض ہی ہیں۔ اگر کوئی فرض نماز کا پابند ہوگیا تو اس سے نوافل کی توقع بھی ہوسکتی ہے۔ جو فرض ہی ادا نہ کرسکا وہ نوافل کیسے پڑھے گا؟ یہی حال روزے کا ہے؟ اگر کسی نے رمضان ہی کے روزے نہ رکھے تو وہ شوال اور محرم کے مسنون روزے کیونکر رکھ سکتا ہے۔ جو رمضان کے روزوں کا پابند ہوگا، خواہ جون جولائی اور جیٹھ ہاڑ ہی کے کیوں نہ ہوں، وہ موسم سرما کے مسنون روزے بآسانی رکھ سکے گا ...... ہاں حلال حرام کا معاملہ ذرا

[1] صحیح مسلم، حدیث: 15.

اہم ہے اور تکلیف دہ بھی۔ نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے اور روزہ بھی رکھا جا سکتا ہے مگر سود اور رشوت کو حرام سمجھ کر چھوڑ دینا قدرے مشکل ہے۔ جھوٹ اور غیبت سے بچنا بہت ہی مشکل ہے۔ کاروبار میں صفائی سے چلنا آسان نہیں ہے مگر دیکھیے: وہ صحابی کس جرأت سے کہہ رہا ہے کہ حضور میں حلال کو حلال اور حرام کو حرام ہی سمجھوں گا، یعنی کسی صورت میں کسی کا حق نہ ماروں گا۔ اور تاویلات باطلہ سے حرام کو حلال نہ بناؤں گا، فرائض میں کوتاہی نہ کروں گا اور ان کی ادائیگی میں فرق نہ آنے دوں گا۔ کیا ایسی صورت میں بھی میری نجات یقینی ہے یا نہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کا مصمم ارادہ کر چکا ہے تو پھر نجات بھی یقینی ہے۔ نوافل تو فرائض ہی کی تکمیل کے لیے ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے فرائض کی تکمیل کی پوری ذمہ داری لیتے ہو تو اللہ جل شانہ بھی تمھیں بہشت ہی میں جگہ دے گا۔

حدیث: 23

صفائی کی اہمیت اور کلمات کی فضیلت

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُلِلّٰهِ تَمْلَآنِ أَوْ تَمْلَأُ مَابَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ ، وَالصَّلَاةُ نُورٌ ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْعَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَائِعٌ نَفْسَهُ فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا».

حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پاکیزگی نصف ایمان ہے اور الحمدللہ کہنا اعمال کے ترازو کو (ثواب سے) بھر دیتا ہے۔ سبحان اللہ، اور الحمدللہ زمین و آسمان کے درمیان کی تمام چیزوں کو بھر دیتے ہیں۔ اور نماز نور ہے۔ صدقہ دلیل ہے اور صبر ایک روشنی ہے۔ اور قرآن تمھارے حق میں یا تمھارے خلاف ایک حجت ہے...... ہر شخص اس حال میں صبح کرتا ہے (گویا وہ) اپنے آپ کو تجارت میں لگا رہا ہے۔ یا تو (اپنے آپ کو نیک اعمال کرکے) دوزخ سے آزاد کرالیتا ہے یا (بداعمالی کے باعث) ہلاک کرلیتا ہے۔''[1]

تشریح: یہ حدیث ایک گونہ ذکر کی ترغیب اور ذکر الٰہی کی طرف مائل کرنے کے لیے ارشاد ہوئی ہے۔ ذکر سے پہلے چونکہ طہارت لازمی ہے، اس لیے پہلے یہی ارشاد ہوا کہ طہارت

[1] صحیح مسلم، حدیث: 223.

آدھا ایمان ہے۔ اگر طہارت سے مراد بدن کی پاکیزگی لی جائے تو بھی صحیح ہے کیونکہ مومن کے لیے بدن اور کپڑوں کی پاکیزگی لازم قرار دی گئی ہے۔ اور اگر طہارت سے مراد وضو ہو تو بھی صحیح ہے کیونکہ مسلمان کا ہر وقت باوضو رہنا بھی عبادت میں شامل ہے۔ ایمان سے مراد نماز بھی ہو سکتی ہے کیونکہ قرآن کریم میں نماز کو ایمان کہا ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمھاری وہ نمازیں ضائع نہیں کرے گا جو تحویل قبلہ سے قبل تم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھ چکے ہو۔ یہاں اگر ایمان کے معنیٰ ... لی جائے تو طہور بمعنی وضو زیادہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کا تعلق نماز سے خاص ہے۔ بہر حال وضو ہو تو مطلق طہارت اور پاکیزگی جب تک وہ حاصل نہ ہو نہ نماز ہو سکتی ہے نہ تقرب الٰہی۔ اس لیے اسے نصف ایمان کہا گیا۔ جب نماز پڑھ لی جائے تو گویا ایمان کی تکمیل ہوگئی۔ پھر فرمایا: الحمدللہ کہنا یعنی اللہ کی حمد و ثنا کرتے رہنا اتنے ایمان کا حاصل کر لینا ہے جس سے قیامت کے دن اعمال کا ترازو بھر جائے گا۔ حمد کا لفظ اگرچہ بہت ہلکا سا ہے مگر معانی کے لحاظ سے اتنا وسیع اور وقیع ہے کہ زمین و آسمان کا خلا بھر جائے، خصوصاً جبکہ سبحان اللہ بھی اس کے ساتھ مل جائے۔ پھر فرمایا: نماز نور ہے۔ از سرتاپا نور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے یا یہ پیدائش نور کا ذریعہ ہے۔ اور یہ ایسا نور ہے کہ اس سے گناہوں کی ظلمت دور ہو جاتی ہے۔ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ جس گھر میں، جس وجود میں یہ نور ہو وہاں برائیوں اور بے حیائیوں کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا: صدقہ حجت ہے، یعنی مال کا حق ادا کرنے پر حجت ہے یا ایمان پر حجت ہے کہ منافق صدقہ اور زکاۃ ادا نہیں کرتا۔ اور صبر روشنی ہے، یعنی حصول روشنی کا سبب بنتا ہے اور صابر کے دل میں ایمان کی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے نہ وہ گھبراتا ہے نہ جزع فزع کرتا ہے بلکہ مطمئن رہتا ہے۔ اور قرآن تیرے لیے حجت ہے یا تجھ پر حجت ہے، یعنی اگر تو قرآنی احکام بجا لایا۔

اُن پر عمل کیا تو تیرے لیے حجت ہوگا، یعنی تیرے ایمان و اسلام پر سند ہوگا اور تیرے لیے باعث نجات۔ اور اگر تو نے اس کے خلاف کیا، اس پر کوئی عمل نہ کیا تو وہ تیرے خلاف شہادت دے گا، تیرے خلاف ایک سند ہوگا اور تجھے جہنم میں لے جانے کا باعث بنے گا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر شخص روزانہ اعمال کی تجارت کرتا ہے۔ یا نیک اعمال خرید کرتا یا بد اعمال ہے۔ اب یہ تمھارا اپنا فرض ہے کہ روزانہ اپنا جائزہ لو کہ آج تم نے کتنی نیکیاں کیں۔ اور کتنی برائیاں۔ یہ تجارت نفع مند رہی یا نقصان دہ؟ اگر روزانہ نقصان ہو رہا ہے تو تم خود ہی سوچو۔ اس زندگی سے فائدہ کیا؟ پھر نیکیوں کی طرف مائل ہو جاؤ اور پھر اس تجارت میں نفع کماؤ۔

جامع ترین حدیث قدسی

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا رَوٰى عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَنَّهُ قَالَ: «يَا عِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا، يَا عِبَادِي! كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ. يَا عِبَادِي! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ. يَا عِبَادِي - كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ. يَا عِبَادِي! إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ أَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْلَكُمْ. يَا عِبَادِي! إِنَّكُمْ لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي. يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَ إِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَالِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا. يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَ اٰخِرَكُمْ وَ إِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مَا نَقَصَ ذَالِكَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا. يَا عِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَاٰخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَاسْئَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَسْئَلَتَهُ مَا نَقَصَ ذَالِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ. يَا عِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ

اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذَالِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ».

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: ''اے میرے بندو! سن رکھو! ظلم کو میں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام کیا ہے۔ ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب بے راہ ہو مگر جس کو میں سیدھی راہ پر چلاؤں۔ مجھ سے ہی ہدایت مانگو میں ہی تم کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر میں جس کو کھانا کھلاؤں۔ تم مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر میں جس کو پہناؤں۔ تم مجھ سے لباس مانگو میں تم کو لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب رات دن خطائیں کرتے ہو۔ میں سب کے گناہ بخشنے والا ہوں۔ تم سب مجھ سے بخشش مانگو میں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے کہ مجھے کوئی ضرر پہنچاؤ۔ تم مجھے نہ کوئی نفع پہنچا سکتے ہو جو مجھے نفع پہنچاؤ۔ اے میرے بندو! اگر اول سے آخر تک سب انسان اور جن ایک بڑے متقی دِل والے آدمی کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کچھ نہیں بڑھ جائے گا۔ اور اے میرے بندو! اگر اول سے آخر تک سارے انسان اور جن ایک بڑے سے بڑے بدکار دل والے انسان کی طرح بن جائیں تو اس سے میرے ملک میں نقص نہیں آ جائے گا۔ اے میرے بندو! اگر اول سے آخر تک تم سب انسان اور جن ایک میدان میں جمع ہو جاؤ اور اپنی اپنی تمام مرادیں مجھ سے مانگو۔ اور میں ہر ایک کی تمام مرادیں پوری کر دوں تو میرے خزانے میں سے اس سے زیادہ کچھ کم نہیں ہو سکتا جتنا کہ ایک سوئی کو دریا میں ڈال کر نکال لینے سے (دریا کا پانی کم ہو سکتا ہے۔) اے میرے بندو! یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جنھیں میں

تمھارے لیے گن گن کر رکھتا ہوں اور پھر وہ تمھیں پورے کر دوں گا۔ جو بھلائی پائے وہ خدا کی حمد کرے۔ اور جو اس کے سوا وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔''[1]

تشریح: یہ حدیث قدسی کہلاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ خود حضور رسول مقبول ﷺ سے فرماتا ہے کہ میرے متعلق میرے بندوں سے یوں کہہ دو، حدیث کا مضمون نہایت صاف اور واضح ہے اور کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ مختصر یہ کہ اس میں توحید خالص ہے۔ اللہ کے مختار کل ہونے کا بیان ہے۔ اس کے مالک الملک اور قادر مطلق ہونے کی تفصیل ہے۔ سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میں اپنی مخلوق پر ظلم نہیں کرتا۔ تم بھی ظلم سے بچو کہ اس سے بری کوئی چیز نہیں۔ پھر فرمایا کہ تمھاری ہدایت اور ضلالت میرے ہی دست قدرت میں ہے۔ بس مجھی سے ہدایت کی توفیق مانگو کہ میرے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ رزق بھی میرے ہی ہاتھ میں ہے کیونکہ میں ہی رازق ہوں میرے سوا کوئی رزق نہیں دے سکتا۔ پس اسی پر تمھارا ایمان اور عمل ہونا چاہیے۔ انسان واقعی خطا کار ہے۔ بھول بھول جاتا ہے۔ بس اسے چاہیے کہ اپنی خطاؤں کا اقرار کرتا رہے اور مجھ سے بخشش مانگتا رہے۔ میں بخشنے کو پسند کرتا ہوں اور ہر تائب کو دوست رکھتا ہوں۔ جو جتنی بار مجھ سے بخشش مانگے گا میں اُتنا ہی اسے دوں گا اور اُس پر خوش ہوں گا۔ یہ بھی جان لو اور یقین کر لو کہ میں تمھیں جتنا زیادہ دوں گا میرے خزانے میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ میری ساری مخلوق مجھ سے جتنا چاہے مانگ لے اور میں اُسے دے بھی دوں پھر بھی میرے خزانے بھرے کے بھرے رہتے ہیں۔ اُن میں ذرہ بھر کمی نہیں ہو پاتی۔ میری ساری مخلوق اگر میرا کچھ بگاڑنا چاہے تو بگاڑ نہیں سکتی اور سنوارنا چاہے تو سنوار نہیں سکتی۔ پس ہر ایک کے عمل نیک ہوں یا بد اس کے اپنے ہی کام آئیں گے۔ ہر شخص اپنے ہر عمل کی سزا یا جزا ضرور پائے گا۔

1: صحیح مسلم، حدیث: 2577.

نیکی میں مقابلہ

عَنْ أَبِي ذَرٍّ ﷺ أَنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالْأُجُورِ يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ. قَالَ: «أَوَلَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مَا تَصَدَّقُونَ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنْ مُنْكَرٍ صَدَقَةٌ وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهَا وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ».

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال دار لوگ ہم سے ثواب اور نیکیوں میں بڑھ گئے۔ وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور اپنے وافر مال سے صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں (مگر ہم بوجہ غربت صدقہ نہیں کر پاتے۔) آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے صدقہ کا سامان نہیں کیا ہے؟ سنو! سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے اور اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔ الحمدللہ صدقہ ہے

اور لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے۔ امر بالمعروف (اچھی باتوں کا حکم دینا) صدقہ ہے۔ نہی عن المنکر (بری باتوں سے روکنا صدقہ ہے) اور اپنی عصمت کو محفوظ رکھنا صدقہ ہے...... اس پر انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی خواہشات کو تسکین دینے کے لیے جو کچھ کرتا ہے کیا اس کا بھی اس کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! بتاؤ تو اگر وہ اسے حرام میں استعمال کرے تو کیا اس کو گناہ نہیں ہوگا؟ لہٰذا جب وہ اسے جائز جگہ میں استعمال کرتا ہے تو اُسے اس کا اجر ملتا ہے۔''[1]

تشریح: اس حدیث شریف سے ہمیں کئی سبق ملتے ہیں۔ پہلا سبق یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں نیکی کا کتنا احساس تھا۔ غریب لوگ احساس کرتے تھے کہ امیر لوگ اجر میں ہم سے بڑھ جاتے ہیں۔ نمازیں ہم بھی پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں۔ روزے ہم بھی رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں۔ جہاد ہم بھی کرتے ہیں وہ بھی کرتے ہیں اور نیکی کے بیسیوں کام ہیں جو باہم مشترک ہیں۔ مگر صدقہ خیرات ایک ایسا کام ہے جو مالدار ہی کر سکتے ہیں اور ہم اس سے محروم رہتے ہیں۔ اس لیے وہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کرتے ہیں کہ اس کا مداوا کیونکر ہوسکتا ہے...... اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں، جس سے ہمیں دوسرا سبق ملتا ہے، کہ یہ نہ سمجھو صدقہ کا ثواب صرف پیسہ خرچ کرنے ہی سے ملتا ہے۔ جس کے پاس پیسہ نہ ہو اور وہ چاہے کہ اسے صدقہ کے برابر ثواب مل جائے تو وہ تسبیحات بکثرت پڑھا کرے۔ اللہ کی حمد کرتا رہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا ورد کیا کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا صدقہ کرنے سے ملتا ہے...... نیز یہ بھی ارشاد ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر لوگوں کو برائی سے روکنا اور نیکی کی ترغیب دلانا ہے۔ تبلیغ حق کرتے رہنا بھی اتنا بڑا کام ہے جتنا کسی کو کچھ دے کر کسی کی حاجت روائی کرنا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ تبلیغ کرنا اور

1. صحیح مسلم، حدیث: 1006.

ذکر کرنا بھی برابر برابر ہے۔ وعظ و نصیحت اور تبلیغ درجہ میں ذکر الٰہی سے کم نہیں ہے بلکہ روایات کی رو سے تو مبلغ اور واعظ کا درجہ صوفی، زاہد اور عابد سے کچھ بڑھ کر ہی ثابت ہوتا ہے...... تیسرا سبق اس حدیث سے یہ بھی ملتا ہے کہ اگر ایک شخص کسی برے کام سے بچ جاتا ہے تو وہ اجر اور ثواب میں اُس شخص کے برابر ہوتا ہے جو کوئی نیک کام کرتا ہے۔ ایسی نیکی کرنا اور بدی سے بچنا ثواب کی رو سے برابر ہی ہے اور یہ انعام مسلمانوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔ کوئی غیر مسلم اس سے متمتع نہیں ہوسکتا۔

صدقے کے مفہوم کی وسعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَتُمِيطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر روز سورج نکلتے ہی انسان کے جسم کے ہر حصہ پر صدقہ لازم ہوجاتا ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ کسی کو سواری کے سلسلہ میں مدد دینا، اُسے اوپر بٹھانا یا اس کا سامان اُٹھا کر اوپر لادنا بھی صدقہ ہے۔ اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ ہر وہ قدم جو نماز کے لیے جاتے ہوئے اٹھائیں وہ بھی صدقہ ہے۔ اور راستہ سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا بھی صدقہ ہے۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے صدقہ کی مزید تفصیلات کا پتہ چلتا ہے کہ صدقہ کرنا ہر انسان کے لیے بالخصوص مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اور انسان کے ہر ہر حصے پر صدقہ واجب ہے۔ انسان کے جوڑ اور بند طبی نکتہ نگاہ سے تین سو ساٹھ کے لگ بھگ ہیں۔ مگر انسان دن

[1] صحيح البخاري، حديث: 2989، و صحيح مسلم، حديث: 1009.

میں تین سو ساٹھ بار صدقہ کرے تو اپنے فرض منصبی سے ایک گونہ بریٔ الذمہ ہوتا ہے۔ مگر کون ہے جو اتنا صدقہ کرے اور ہر روز مسلسل کرتا رہے۔ اگر صدقہ کا مفہوم صرف پیسہ خرچ کرنا ہی ہوتا تو یقیناً غریب پس جاتے اور امیر فقیر بن جاتے یا پھر بخل کا مظاہرہ کرتے۔ مگر حضور رسول مقبول ﷺ نے یہاں بھی یہی فرمایا کہ صدقہ صرف روپیہ پیسہ ہی سے نہیں ہوا کرتا بلکہ صدقہ کا راز و اسرار تو خدمت خلق میں پنہاں ہے۔ جو انسان خدمت خلق کا عادی ہوگیا وہ سب سے بڑا سخی اور سب سے بڑا فیاض بن گیا۔ پھر وضاحت سے فرمایا کہ لوگوں میں عدل و انصاف کرنا، صلح کرانا، کسی کا سامان اُٹھوانا، کسی کام میں اُسے مدد دینا، یہاں تک کہ اس سے اچھی بات کرنا کسی کا دل خوش کرنا، راستہ صاف کرنا اور عوام کی سہولت و آرام کے پیش نظر کسی پتھر یا کسی کانٹے کا راستہ سے ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ اللہ کی راہ میں کسی قسم کی تکلیف اٹھانا حتیٰ کہ اندھیری رات میں یا سردی کے موسم میں یا برسات میں نماز کے لیے چل کر مسجد جانا یہ بھی ایک گونہ صدقہ ہی کے مترادف ہے۔ پس اس قسم کے تمام کام جو انسان سرانجام دیتا ہے گویا وہ اپنے تمام اعضاء اور بند بند کا حق ادا کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حدیث: 27

نیکی اور برائی کی تعریف

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ ﷛ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ».

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ: «جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْإِثْمِ؟» قُلْتُ: نَعَمْ. قَالَ: «اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ يَا وَابِصَةُ! اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ».

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ”نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو پسند نہ کرے کہ لوگوں کو اس کا علم ہو۔“[1]

اور وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ نے یوں بیان کیا کہ میں حضور رسول مقبول ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا: ”کیا نیکی اور بدی کے متعلق سوال کرنے آئے ہو؟“ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: ”اپنے دل سے پوچھو۔ نیکی وہ ہے جس سے تیرا نفس اور دل مطمئن ہو۔ اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور دل کو تردد میں ڈالے، گو لوگ تجھے اس کے خلاف اجازت اور فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیں۔“[2]

1. صحيح مسلم، حديث: 2553. 2. مسند أحمد: 228/4، ومسند دارمي: 246/2.

تشریح: اس حدیث میں جو دو مختلف راویوں سے مروی ہے، نیکی اور بدی کی تعریف کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ نیکی کسے کہتے ہیں اور بدی کیا ہے۔ نیکی کی جامع مانع تعریف اس سے بڑھ کر اور کوئی نہیں ہوسکتی جو حضور پُر نور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے کہ نیکی ''حسن خلق'' اچھے سلوک کا نام ہے۔ اگر تو خدا کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے، یعنی اس کا حق ادا کرتا ہے، اس کی عبادت کرتا ہے، خواہ وہ عبادت کسی قسم ہی کی ہو تو وہ نیکی ہے۔ اور اگر تیرا سلوک رسول اللہ ﷺ سے اچھا ہے، یعنی ان کا حق ادا کرتا ہے، ان کی اطاعت کرتا ہے، ان کی سنت پر چلتا ہے تو یہ بھی نیکی ہے۔ اور اگر تیرا سلوک اُستاد، پیر، مرشد، ماں باپ، خویش واقارب، اپنے، بیگانے سب کے ساتھ اچھا ہے، یعنی تو ان کے حقوق ادا کرتا ہے تو یہ بھی نیکی ہے۔ اور اگر تیرا سلوک حیوانات کے ساتھ اچھا ہے تو یہ بھی نیکی ہے۔ غرضیکہ ہر ایک نیک سلوک اور اچھے برتاؤ کا نام (بشرطیکہ اسے اللہ اور رسول اللہ ﷺ نے اچھا کہا ہو) نیکی ہے۔ اور گناہ یا برائی وہ ہے جسے تو لوگوں سے چھپا کر کرے۔ تیرا دل تجھے خود اس پر ملامت کرے اور نادم ہو اور یہ چاہے کہ تیرے اس فعل کا پتہ کسی کو نہ ہونے پائے۔ پس اس کی تعریف اور (نیکی بدی کی) اس پہچان کے ہوتے ہوئے اب تجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ تو اپنے دل ہی سے فتویٰ لے لیا کر کہ نیکی کر رہا ہے یا بدی! ...... وابصہ کا یہ کہنا کہ میرے جانے پر حضور ﷺ نے از خود فرمایا کہ کیا تو نیکی اور بدی کے متعلق کچھ پوچھنے آیا ہے یہ غیب سے تعلق نہیں رکھتا کہ حضور رسول مقبول ﷺ غیب جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بتانے پر ہوا کیونکہ حضور پرنور اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی بات نہ کیا کرتے تھے۔

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ○﴾ .[1]

---

[1] النجم 53:3،4.

نبی کریم ﷺ کا ایک وعظ

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَوْمًا بَعْدَ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مَوْعِظَةً بَلِيغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ. فَقَالَ رَجُلٌ: إِنَّ هٰذِهِ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَمَاذَا تَعْهَدُ إِلَيْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: «أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَإِنْ عَبْدٌ حَبْشِيٌّ فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ».

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے ہمیں ایک بار وعظ سنایا کہ اس سے دِل دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ تو گویا الوداعی تقریر ہے۔ آپ ہمیں وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں خوف خدا، اطاعت امیر اور فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، خواہ وہ خلیفہ ایک حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ سنو! تم میں سے جو کوئی زندہ رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلاف دیکھے گا۔ پس تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی پیروی لازم ہے۔ اسے اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑے رہنا۔ اور بدعتوں سے بچتے رہنا۔ کیونکہ دین میں نئی من گھڑت باتیں بدعت اور

گمراہی ہوتی ہیں۔'' [1]

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خطبہ جمعہ کے علاوہ بھی اکثر وعظ سنایا کرتے تھے۔ اگرچہ حضور پُر نور ﷺ کے عام خطبے اور وعظ دل ہلانے والے ہوتے تھے۔ مگر بعض بعض مواقع ہوتے ہیں اور خاص وقت ہوتے ہیں کہ دل پر خاص اثر ہوتا ہے۔ چنانچہ راوی کہتا ہے کہ اس موقع پر ہمارے دلوں پر خاص اثر ہوا اور ہم نے حضور ﷺ سے مزید ارشاد فرمانے کی درخواست کی۔ چنانچہ آپ نے اس پر مزید جو ارشاد فرمایا راوی اس کا ذکر یوں کرتا ہے: آپ نے فرمایا کہ خوفِ خدا کو خاص طور پر دل میں جگہ دو کہ خوفِ خدا ہی نجات کا اصل ذریعہ ہے۔ اور خوف خدا ہی گناہوں سے بچاتا ہے۔ اگر کسی انسان کے دل میں خوف خدا نہ ہو اور اس کے دل میں یہ احساس نہ ہو کہ مجھے خدا کے سامنے ہر فعل کا جواب دہ ہونا ہے تو وہ نہ کوئی نیکی کرے اور نہ بدی سے بچے۔ پس خوفِ خدا ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے دین سنورتا ہے۔ اور دنیا بنتی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ نے ''خوف خدا'' کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔ پھر فرمایا: امیر کی اطاعت اور فرماں برداری لازم پکڑو اور بلا امیر زندگی بسر نہ کرو۔ اس سے نظم ونسق بگڑ جاتا ہے اور سیاسی ہوا اُکھڑ جاتی ہے۔ امیر خواہ کیسا ہی ہو جب اُسے امیر مان لیا جائے تو اطاعت واجب ہوجاتی ہے۔

پھر اشارتاً فرمایا کہ جس قوم میں امیر نہ ہوگا اور وہ بلا امیر زندگی بسر کرے گی تو اس میں اختلاف بڑھ جائیں گے اور خانہ جنگی ہوتی رہے گی۔ جس کی وجہ سے وہ قوم ذلیل ہوگی۔ یاد رکھو! میری اور میرے خلفاء کی سنت ترک نہ ہونے پائے کہ تمھاری نجات اسی میں ہے۔ اگر میری سنت چھوڑ کر تم نے دوسروں کی اقتداء کی اور میرے طریق کو چھوڑ کر دوسروں کا

---

[1] سنن أبي داود، حديث: 4607، جامع الترمذي، حديث: 2676.

طریق اختیار کیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے اور جہنم کا ایندھن بنو گے۔ پس اب مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ حضور پرُ نور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟

جہنم سے نجات اور جنت میں داخلہ مگر کیسے؟

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ ﷛ قَالَ: كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفَرٍ فَأَصْبَحْتُ يَوْمًا قَرِيبًا مِنْهُ وَنَحْنُ نَسِيرُ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ. قَالَ: «لَقَدْ سَأَلْتَنِي عَنْ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ» ثُمَّ قَالَ: «أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ: الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلَاةُ الرَّجُلِ مِنْ جَوْفِ اللَّيْلِ». قَالَ: ثُمَّ تَلَا ﴿تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ﴾ حَتَّى بَلَغَ ﴿يَعْمَلُونَ﴾ ثُمَّ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ كُلِّهِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟». قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: «رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ» ثُمَّ قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكَ بِمَلَاكِ ذَٰلِكَ كُلِّهِ؟». قُلْتُ: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ قَالَ: «كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا». فَقُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: «ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا

حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ».

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں تھا۔ اس دوران میں نے ایک دن آپ کے قریب ہی صبح کی اور ہم چل پڑے۔ اس وقت میں نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسا کام بتا دیجیے جو مجھے بہشت میں داخل کر دے اور دوزخ سے دور کر دے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو نے ایک بہت بڑی بات پوچھی ہے۔ اور بے شک وہ اُس شخص پر آسان بھی ہے جس پر اللہ تعالیٰ اُسے آسان کر دے۔ تو اللہ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہرا۔ نماز قائم کر، زکاۃ دیتا رہ، ماہ رمضان کے روزے رکھ اور اللہ کے گھر کا حج کر۔'' پھر فرمایا: ''معاذ! کیا میں تجھے بھلائی کا دروازہ نہ دکھا دوں؟ روزہ ڈھال ہے۔ جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اسی طرح صدقہ گناہ کی آگ کو بجھا دیتا ہے اور آدمی کی آدھی رات کی نماز (تہجد)، پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''رات کے وقت اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے۔ اور اُمید و بیم کی کیفیت میں اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے ہیں۔ اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے اس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ اچھے عملوں کے بدلے میں کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک اُن کے لیے موجود ہے۔''

اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تجھے امر دین کی جڑ، ستون اور کوہان کی بلندی کی طرف رہنمائی نہ کر دوں؟'' میں نے عرض کیا۔'' ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا: ''اس کو قبضہ میں رکھو۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! کیا ہم سے ان باتوں کے متعلق مؤاخذہ ہوگا جو زبان سے نکالتے ہیں؟'' آپ نے (ازراہ محبت) فرمایا: ''معاذ! تیری ماں تجھے روئے۔

آدمیوں کو ان کی زبانیں ہی تو منہ یا ناک کے بل دوزخ میں ڈالیں گی۔"[1]

تشریح: اس حدیث میں چند چیزوں کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے۔

اول ارکان اسلام:

[1] توحید خالص، شرک سے اجتناب۔ [2] اقامت صلاۃ، یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنا۔ پانچوں وقت پابندی سے پڑھنا۔ خشوع اور خضوع سے پڑھنا۔ تمام ارکان پورے ادا کرنا اور اس پر مواظبت رکھنا۔ کیونکہ نماز کی تکمیل انھی چیزوں سے ہوتی ہے۔ [3] زکاۃ ادا کرنا اور سنت کے مطابق ادا کرنا اور اس امر کا خیال رکھنا کہ وہ صحیح مقام اور محل پر خرچ ہوئی ہے۔ [4] رمضان کے روزے رکھنا، روزے کے مفہوم کو سمجھنا۔ روزے کے جمیع مسائل واحکام سے آگاہی حاصل کرنا اور اس کے مطابق روزے رکھنا۔ [5] حج کرنا اور حج بھی سنت کے مطابق ادا کرنا۔ برموقع تمام دعاؤں کا پڑھنا۔ انھیں سیکھنا اور سمجھنا اور ان سے برکات حاصل کرنا۔ [6] پھر تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور نماز تہجد پر توجہ دلائی کہ اس میں دل کی طراوت اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے بشرطیکہ ایمان تازہ ہو۔ دل زندہ ہو۔ [7] پھر زبان پکڑ کر فرمایا: اس کی حفاظت کرنا، اس پر کنٹرول رکھنا کہ تمام نیکیوں کا منبع یہی ہے اور فسادوں کی جڑ بھی یہی ہے۔ اگر اسے آزاد چھوڑ دیا گیا تو دین اور دنیا میں تمھاری رسوائی کا سبب یہی ہوگی۔ اور اگر اس پر قابو پا لیا گیا تو نجات کا ذریعہ بھی یہی بنے گی۔ مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجَا. جس نے خاموشی اختیار کی وہ سلامت رہا اور جس نے سلامتی پائی وہ نجات پا گیا۔

[1] جامع الترمذي، حديث: 2616، حديث حسن، صحيح.

احکام وحدود کی پاسداری

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَرَّمَ حُرُمَاتٍ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا».

حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے بہت سے فرائض لازم کیے ہیں انھیں ضائع نہ کرو۔ بہت سی حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور بہت سی چیزیں حرام کی ہیں ان سے نہ بڑھو۔ اور تم پر رحم کرتے ہوئے بغیر کسی بھول چوک کے بہت سی چیزوں سے سکوت فرمایا ہے، سو تم بھی اُن کے بارے میں بحث نہ کرو۔''[1]

تشریح: اس حدیث میں مندرجہ ذیل ہدایات دی گئی ہیں: [1] فرائض پنجگانہ کے علاوہ تم پر کچھ اور فرائض بھی ہیں۔ انھیں سیکھو۔ اُن کا پورا پورا علم حاصل کرو۔ اور ان کی ادائیگی کا خیال رکھو۔ اُن سے غفلت نہ ہونے پائے۔ [2] حدود الٰہیہ سے تجاوز نہ کرنا، یعنی محرمات کا خیال رکھنا۔ ہر ناجائز مکروہ اور حرام چیز پر حد لگا دی گئی ہے اور شریعت میں اس کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اس کا خیال رکھنا۔ [3] جن جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے

1 سنن دار قطني: 183/4.

حلال یا حرام کہہ دیا ہے بس انھی کی حلت یا حرمت کو پیش نظر رکھنا اور دوسری چیزوں، یعنی مشتبہات کے پیچھے نہ پڑنا۔ اور نہ غیر ضروری و غیر متعلق چیزوں کی حلت و حرمت پر بحث کرنا۔ نہ آپس میں نزاع کرنا۔ نہ اختلاف پیدا کرنا کہ اس میں بجز نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

حدیث: 31

اللہ کا محبوب اور لوگوں کا پیارا بننے کے لیے ....!

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَ أَحَبَّنِي النَّاسُ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبُّوكَ».

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو کروں تو اللہ مجھ سے محبت کرنے لگے اور لوگ بھی مجھ سے محبت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا سے منہ پھیر لے (یعنی تو دنیا کی محبت چھوڑ دے) اللہ تعالیٰ تجھے محبوب رکھے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے تو اس سے بے نیاز ہو جا لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔''[1]

تشریح، اس حدیث پاک میں محبت الٰہی اور عوام میں قبولیت حاصل کرنے کا ایک ایسا نسخہ بتایا گیا ہے جو واقعی سولہ آنہ مفید اور کارگر ثابت ہو چکا ہے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ ہم نے بیسیوں لوگوں کو دیکھا جس جس نے بھی اس پر عمل کیا وہ کامیاب ہوا۔ جب آپ کی طبیعت میں استغنا پیدا ہوگا تو عوام خود بخود آپ کی طرف مائل ہوں گے۔ جب آپ کی

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: 4102.

طبیعت میں حرص لالچ اور خود غرضی پیدا ہوگی تو سب ہی لوگ آپ سے نفور اور دور ہو جائیں گے۔ پس دنیا سے بے نیاز ہو جائیے، جو مل جائے اس پر شکر ادا کیجیے۔ جو نہ ملے تو اس پر صبر کیجیے۔ اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوگا اور آپ سے محبت کرنے لگے گا۔

حدیث:
32

نقصان نہ اپنا نہ دوسروں کا

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِي ﷺ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''نہ خود نقصان اُٹھاؤ اور نہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔'' [1]

تشریح: ایک روایت میں لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ فِي الْإِسْلَامِ کے الفاظ بھی آئے ہیں، یعنی اسلام میں یہ روا اور جائز نہیں کہ خود نقصان اٹھاؤ یا دوسرے کو نقصان پہنچاؤ۔ بہرحال یہ حدیث امن وسلامتی کی داعی ہے۔اس میں امن وسلامتی کا ایک ایسا گُر بتا دیا گیا ہے کہ ایسا سبق آپ کو اور کہیں سے بھی نہیں مل سکے گا۔ آپ اگر کاروباری آدمی ہیں تو کاروبار کے سلسلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھنے سے آپ اپنے کاروبار کو فروغ دے سکتے ہیں۔ کیونکہ جب ہرکس وناکس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ آپ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے تو یقیناً لوگ آپ ہی کی طرف مائل ہوں گے۔ رشتہ داری ہو یا کنبہ پروری۔ ملازمت ہو یا ہمسائگت، اپنائیت ہو یا بیگانگت۔ ہر جگہ یہ اصول آپ کے لیے مفید ہی ثابت ہوگا، پس آپ ہر وقت اسے پیش نظر رکھیں۔ نہ کسی کو نقصان پہنچائیں اور نہ آپ نقصان اُٹھائیں کہ عدل اسی میں ہے۔

1 سنن الدار قطني: 3/77.

حدیث: 33

دلیل کے بغیر دعوے بے سود ہیں

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷠ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ لَادَّعَى رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَهُمْ وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلٰى مَنْ أَنْكَرَ».

حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق دے دیا جائے تو بہت سے آدمی لوگوں کے مال و جان پر (ناحق) دعویٰ کر دیں۔ لیکن مدعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ گواہ لائے (اگر وہ گواہ نہ لا سکے) تو جو انکار کرتا ہے (مدعی علیہ) وہ حلف اُٹھائے۔''[1]

تشریح: اس حدیث میں عدل و انصاف کا ایک بہترین اصول بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی دعویٰ بلا دلیل دائر نہیں ہوسکتا۔ مدعی (دعویٰ کرنے والے) پر لازم ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر دلائل و شواہد پیش کرے۔ اگر مدعی کسی منصف یا حاکم کے سامنے اپنے دعویٰ پر کوئی دلیل اور گواہ پیش نہیں کرتا تو پھر حاکم کا فرض ہے کہ وہ مدعی علیہ (فریق ثانی) سے حلف لے یا شواہد طلب کرے۔ مطلب یہ کہ مدعی سے کسی صورت بھی حلف (قسم) نہ لو کہ شرعی نقطہ نگاہ سے اس پر قسم لازم ہی نہیں آتی۔ اگر قسم اور حلف کی ضرورت پیش آئے تو وہ مدعی علیہ پر ہی لازم آئے گی۔ اس اصول کو پیش نظر رکھنا تا کہ آپ تمام فیصلے شرعی نقطہ نگاہ ہی سے کر سکیں۔

[1] سنن البيهقي: 252/10.

حدیث: 34

برائی سے روکنے کے تین مراتب

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَأٰى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذَالِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ».

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے جو شخص کسی برے کام کو دیکھے تو چاہیے کہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر اتنی طاقت نہ ہوتو زبان سے منع کرے۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔''[1]

تشریح: یہ حدیث بسلسلہ تبلیغ وارد ہوئی ہے اور اس میں تبلیغ کے تین مراتب بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آپ قوت بازو سے تبلیغ کریں، یعنی اتنا اقتدار حاصل کریں کہ ہر برائی اور گناہ کو اپنے اثر و رسوخ اور قوت سے روک دیں۔ کوئی شراب پی رہا ہوتو آپ اسے سزا دے کر اس سے روک دیں۔ چوری کر رہا ہوتو آپ اسے پکڑ لیں۔ جھوٹ بول رہا ہو، غیبت کر رہا ہو یا کوئی برا کام کر رہا ہوتو آپ اسے اپنی طاقت سے روک دیں اور وہ آپ سے ڈر کر رک جائے۔ یہ تو پہلا درجہ ہے جو آج کل بہت ہی کم کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰه.

1 صحیح مسلم، حدیث: 49.

پھر دوسرا درجہ لسانی اور تقریری تبلیغ کا ہے۔ جو عام طور پر واعظوں ہی کے ذریعہ ہو رہی ہے مگر یہ بھی ناتسلی بخش ہے۔ کیونکہ فی زمانہ وعظ وتقریر اور خطبہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ لوگ سنی اَن سنی ایک کر رہے ہیں۔ بلکہ عام طور پر اب سنتے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ یہ تقریری تبلیغ واعظانہ حیثیت سے نہ ہو۔ اجتماعات اور جلسوں میں نہ ہو بلکہ انفرادی طور پر گھر گھر میں ہو۔ برادرانہ حیثیت سے ہو۔ ایک ایک کو الگ الگ ہو۔ جس جس میں جو جو عیب ہو انفرادی طور پر اُسے کہہ کر اُس سے روکا جائے اور باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ اگر وہ بڑا آدمی ہو، آپ اس سے ڈرتے ہوں، جھجکتے ہوں اور اُسے منہ پر کہنے کی جرأت نہ کر سکتے ہوں تو پھر آپ کے لیے ایک تیسرا درجہ بھی ہے جو آخری درجہ ہے۔ گو ایمان کی کمزوری کا درجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ایسے آدمی کو جو کسی برائی میں مبتلا ہو دل سے برا جانیں۔ اس سے مقاطعہ کریں۔ ترک موالات کریں۔ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔ بہر نوع ناراضگی کا اظہار کریں تا کہ اُسے کچھ تو احساس ہو۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو پھر اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ کیونکہ آپ ایسی صورت میں بے غیرت ہوں گے اور بے غیرت کسی صورت بھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ خیال رہے کہ جس طرح انسان اپنی ماں بہن، بہو، بیٹی کے متعلق غیرت کھاتا ہے، اللہ اور اس کا رسول چاہتا ہے کہ وہ دین میں اس سے بھی زیادہ غیرت مند ہو۔ جو شخص دین کے متعلق غیرت کھاتا ہے وہ پکا سچا مسلمان بن جاتا ہے۔

حدیث: 35

مسلم معاشرے کے چند ضابطے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَنَاجَشُوا! وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُونُوا عِبَادَاللّٰهِ إِخْوَانًا. اَلْمُسْلِمُ أَخُوالْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ».

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، قیمتیں نہ بڑھاؤ، بغض نہ رکھو، اور نہ ایک دوسرے سے روگردانی کرو۔ اور نہ ایک دوسرے کی خرید وفروخت پر خرید وفروخت کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ۔ یاد رکھو! ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ پس وہ نہ اپنے بھائی پر ظلم کرے اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ حقیر جانے، پھر تین بار اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تقویٰ کا تعلق اس جگہ سے ہے۔ کسی آدمی کو اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون، مال اور آبرو حرام ہے۔''[1]

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2564.

تشریح: یہ حدیث ایک مستقل خطبہ ہے۔ حضور پُر نور ﷺ کا وعظ ہے۔ اے کاش! ہم اسے سمجھ لیتے اور اس پر کچھ عمل پیرا بھی ہوتے۔ کتنی مفید، عام فہم اور کھری کھری باتیں ہیں جو ہر مسلمان کی سمجھ میں بآسانی آسکتی ہیں۔

① ایک دوسرے کا حسد نہ کرو کہ حسد سے مخالفت بڑھتی ہے، عناد پھیلتا ہے اور بھائی بھائی سے کٹ جاتا ہے۔

② ضد میں آکر کسی چیز کی قیمت نہ بڑھاؤ۔ اگر کوئی شخص دس روپیہ میں کوئی چیز خرید رہا ہے تو تم اس کی مخالفت کی وجہ سے گیارہ روپیہ نہ کہہ دو کہ کہیں یہ دس روپیہ میں لے کر نفع نہ اٹھالے۔ محض دوسرے کی مخالفت کی وجہ سے قیمت بڑھانا گناہ ہے۔ ہاں اگر رضامندی سے قیمت بڑھائی جائے جیسا کہ نیلامی پر ہوتی ہے تو ممنوع نہیں۔

③ کسی مسلمان کے متعلق دل میں بغض و عناد اور جذبۂ انتقام رکھنا بہت ہی برا ہے، اس سے ہمیں روک دیا گیا ہے۔

④ ایک دوسرے سے پھر جانا۔ روگردانی کرنا۔ میل ملاپ چھوڑ دینا، علیک سلیک ترک کر دینا بہت ہی برا ہے۔ اس لیے اس سے منع کر دیا گیا ہے۔

⑤ ایک دوسرے کی بیع پر بیع کرنا بھی منع ہے۔ زید نے بکر سے گائے خریدی، پچاس روپیہ میں سودا ہو گیا۔ مگر عمر بکر سے جا کر کہتا ہے کہ مجھ سے ساٹھ روپیہ لے لو اور زید کو گائے نہ دو۔ یہ بیع پر بیع اور سودے پر سودا کرنا ہے جس سے ہمیں منع کر دیا گیا ہے۔

⑥ سب مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں۔ اس لیے انھیں بھائیوں کی طرح حسن سلوک اور حسن اخلاق سے زندگی بسر کرنا چاہیے۔

⑦ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے۔ نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

⑧ نہ کوئی کسی کمزور بھائی کی کمزوری سے فائدہ اُٹھائے نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑے۔

- نہ اُسے دوسروں کے سامنے جھٹلا کر ذلیل کرے۔ نہ اُس کی توہین کرے۔
- نہ اُسے حقیر جانے، نہ اپنی بڑائی بیان کرے۔ نہ تکبر کرے کہ تکبر ہی سے دوسروں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔
- پھر آپ نے تقویٰ کی تلقین کی اور اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقویٰ تو سینے میں ہوتا ہے، یعنی سینہ ہی اللہ کے ڈر کا مقام ہے۔ اگر سینہ ہی سے خوفِ خدا جاتا رہا پھر مسلمان کے پلے ہی کیا رہا۔
- یاد رکھو سب سے برا یہ ہے کہ تم دوسروں کو اپنے سے کمتر حقیر اور ذلیل تصور کرو۔ اس عیب سے بچنا کہ یہ عیب بدترین عیب ہے۔
- کسی مسلمان کا خون نہ بہاؤ۔
- کسی کی عزت آبرو پر حملہ نہ کرو۔ اور ان پندرہ باتوں کو ہر آن پیش نظر رکھو کہ نجات انھی میں ہے۔

دردِ دل اور جذبۂ حصولِ علم

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا جَلَسَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ».

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی سختی کو دور فرمائے گا۔ جس نے کسی تنگدست پر آسانی کی حق تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کر دے گا۔ جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی کرے گا۔ جب تک کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کی امداد فرماتا رہتا ہے۔ اور جو شخص حصول علم کی راہ پر چلا۔ حق تعالیٰ اس

کے لیے بہشت کا راستہ آسان کر دے گا۔ جو لوگ کسی خانہ خدا میں جمع ہوئے اور وہاں اللہ کی کتاب کی تلاوت کی اور ایک دوسرے کو اس کا درس دیا تو ان پر سکون قلب اترتا ہے۔ اور خدا کی رحمت انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور رحمت کے فرشتے ان پر سایہ کر لیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے مقربین کی جماعت میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کے عمل نے کامیاب کرنے میں دیر لگائی اس کو اس کا نسب کامیاب کرنے میں جلدی نہیں کرے گا۔''[1]

تشریح: اس حدیث سے مندرجہ ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں:

① ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی تکلیف اور مصیبت حل کرنے میں اس کی مدد کرنی چاہیے نہ کہ اُلٹا اسے کسی مصیبت میں مبتلا کرنا چاہیے اور تکلیف میں دیکھ کر خوش ہونا چاہیے، جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ کسی کی تکلیف دور کرنے اور اس سے اظہار ہمدردی میں دو فائدے ہوتے ہیں [illegible] دنیوی اور دوسرا اُخروی۔ دنیوی فائدہ تو یہ ہے کہ تم میں باہم محبت اور [illegible] گی۔ جب کبھی آپ پر کوئی تکلیف آئے گی تو وہ آپ کی مدد کرے گا۔ [illegible] فائدہ جو اس حدیث میں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے صلہ میں قیامت کی سختیاں آپ سے دور کرے گا۔

② تنگدست کی مدد کرنا خصوصیت سے ہم پر لازمی قرار دے دیا ہے کہ جب کسی کو تنگدست دیکھو اس کی ضرور مدد کرو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ تم پر آسانی کرے گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تاریخ اسلام میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور اُمت مسلمہ میں سیکڑوں نہیں ہزاروں ایسے واقعات موجود ہیں جو اس حدیث کی تصدیق کرتے ہیں۔

---

1 صحیح مسلم، حدیث: 2699.

۞ ستر پوشی یعنی کسی کا عیب چھپانا اور اسے عام نشر نہ کرنا، بدنامی سے بچانا یہ بھی ایک بہت کمال ہے جو کسی مسلمان میں ہوسکتا ہے۔ اس لیے اس کی تلقین کی گئی ہے کہ ایک دوسرے کے عیب پر پردہ ڈالو۔ اسے بدنام کرنے کی کوشش نہ کرو۔ ہاں علیحدگی میں اس کی اصلاح کرو۔ اُسے سمجھاؤ بجھاؤ، اگر خدانخواستہ وہ عیب قومی، ملی یا متعدی ہو تو پھر اسے شرعی سزا دلواؤ تاکہ آئندہ کوئی بھی اس قسم کی حرکت نہ کرنے پائے۔

۞ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرنا ہم پر فرض کر دیا گیا ہے کیونکہ جب تک ہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے مسلمان نہیں کہلا سکیں گے۔ پھر لطف یہ کہ دوسروں کی مدد کرنے سے اللہ تعالیٰ ہم پر خوش ہوتا ہے اور خود ہمارا معین و مددگار بن جاتا ہے۔

۞ ہر مسلمان کے لیے علم دین حاصل کرنا نہایت ضروری ہے کہ یہ دخول جنت کا ذریعہ ہے۔ اور اس سے نہ صرف دنیوی برکات ہی حاصل ہوتی ہیں بلکہ جنت کی راہ بھی آسان ہو جاتی ہے۔

۞ اسلام میں عقائد صحیحہ کے بعد عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے نجات حاصل ہوسکتی ہے، بغیر عمل کے نجات ناممکن ہے۔ نجات کے لیے نہ حسب ونسب کام آئے گا، نہ رشوت چلے گی نہ کوئی سفارش ہوگی۔ اس کے لیے تو عمل ہی درکار ہے، اس لیے اسلام عمل صالحہ ہی پر زور دیتا ہے اور اسی کی تلقین کرتا ہے کہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے ناری

حدیث: 37

اعمال نامے میں نیکی اور برائی لکھنے کا ضابطہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهٖ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّآتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَهٗ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً وَ إِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ سَيِّئَةً وَاحِدَةً».

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا: ”اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں اور بدیاں لکھ دی ہیں۔ پھر یوں اس کی وضاحت فرمائی کہ اگر کوئی شخص دل میں نیک عمل کا ارادہ کرے تو عمل سے پہلے ہی اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر ارادہ کے ساتھ اس کو کر بھی لے تو دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں، اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھ دی جاتی ہیں۔ اگر وہ کسی بدی کا ارادہ کرے مگر اسے کرے نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنے ہاں ایک کامل نیکی دیتا ہے۔ اگر ارادہ کرکے کر گزرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاں صرف ایک بدی لکھ دیتا ہے۔“[1]

1. صحيح البخاري، حديث: 6491، وصحيح مسلم، حديث: 131.

تشریح یہ ایک حدیث قدسی ہے۔ اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک خاص بشارت دی ہے اور اپنی رحمت تامہ سے آگاہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہوا کہ جب کوئی بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو ہم محض اس کے ارادہ ہی کی بنا پر ایک نیکی لکھ دیتے ہیں اور جب وہ نیک عمل کر گزرتا ہے تو پھر اس کے خلوص عمل کی بنا پر (ایک سو، پانچ سو، سات سو، ہزار، دو ہزار، دس ہزار) نیکیاں جن کا وہ مستحق ہوتا ہے اس کے نامہ اعمال میں درج کر دیے ہیں۔ مگر بدنیتی یا بد ارادہ کرنے پر کوئی سزا نہیں دی جاتی۔ ہاں جب کسی بدعمل کا ارتکاب کرے تو پھر صرف ایک ہی بدی لکھی جاتی ہے اور ایک ہی بدعملی کی سزا دی جاتی ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم سوچیں نیکیوں کی طرف مائل ہیں یا بدی کی جانب۔ نیک ارادہ کے بعد بدی سے بچ جاتے ہیں یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث: 38

قربِ الٰہی کی جستجو

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: «إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطُشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ».

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ حضور پُرنور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''جس نے میرے دوست سے دشمنی کی تو اس کو میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اگر میرا کوئی بندہ فرائض ادا کر کے مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے تو اس سے زیادہ محبوب ذریعہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور جب کوئی بندہ نوافل کے ذریعہ تقرب چاہتا ہے تو میں بھی اسے محبوب رکھتا ہوں۔ اور جب میں اس کو حبیب بنا لیتا ہوں تو میں اس کی شنوائی بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اُسے ضرور دیتا ہوں۔ اگر وہ کسی سے پناہ چاہتا ہے تو اسے پناہ بھی ضرور

دیتا ہوں۔"[1]

تشریح: یہ حدیث بھی حدیث قدسی کے حکم میں ہے اور اس میں اہل حدیث کے ایک عقیدہ کو واضح کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی ولی اللہ سے دشمنی نہیں رکھ سکتا۔ اگر کوئی شخص کسی ولی اللہ سے عداوت یا بغض رکھے تو پھر وہ مسلمان نہیں رہ سکتا کیونکہ کوئی مسلمان بھی اللہ سے جنگ نہیں لڑسکتا۔ ولی اللہ بننے یا قرب الٰہی حاصل کرنے کے لیے فرائض کی ادائیگی اور نوافل کی پابندی لازمی ہے۔ جو شخص بھی یہ کام کرے اور جتنا زیادہ کرے اتنا ہی اللہ کا قرب حاصل کرسکتا ہے۔ اور جو مقرب الٰہی ہو اللہ خود اس سے محبت کرنے لگتا ہے۔ تا آنکہ یہ محبت کا سلسلہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ اللہ کی رضا کے بغیر نہ دیکھتا ہے، نہ سنتا ہے، نہ چلتا ہے، نہ سوتا ہے اور نہ جاگتا ہے۔ اس لیے ارشاد ہوا کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں۔ کان بن جاتا ہوں۔ مطلب یہ کہ وہ پھر اپنے کانوں کو اپنے کان اور اپنی آنکھوں کو اپنی آنکھ سمجھ کر استعمال نہیں کرتا۔ پھر وہ جو کہتا ہے، میں مانتا ہوں۔ اور جو مانگتا ہے میں دیتا ہوں۔ یہ توحید کا آخری مقام ہے۔ خدا کرے کہ ہم بھی اس مقام پر پہنچ پائیں۔ آمین

1: صحيح البخاري، حديث: 6502.

حدیث:
39

بھول چوک اور مجبوری قابل گرفت نہیں!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ﷺ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ».

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کی بھول چوک اور مجبوری محض سے درگزر کی ہے۔''[1]

تشریح مطلب یہ کہ اگر دینی معاملہ میں میری امت سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اس پر گرفت نہیں ہوگی۔ مثلاً: کسی کام میں اتنے مصروف ہوئے کہ نماز بھول گئی اور وقت گزر جانے کے بعد یاد آئی تو اس پر سزا نہیں ہوگی۔ بس جونہی یاد آئے پڑھ لے، نماز ہو جائے گی۔ روزہ رکھا تھا بھول کر پانی پی لیا، کچھ کھا لیا اور بعد میں یاد آیا کہ روزہ تھا۔ نہ اُس پر کفارہ ہوگا، نہ سزا ملے گی اور نہ روزہ ٹوٹا۔ اسے پورا کرلے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسلام میں بھول چوک معاف ہے، مگر شرط یہ ہے کہ یاد آنے کے بعد وہ کام پورا کرلیا جائے۔ اسی طرح کسی مجبوری پر گرفت نہیں ہوگی۔ آپ سو گئے نماز کا وقت نکل گیا۔ بعد میں جاگے، بس نماز پڑھ لیجیے۔ آپ مجبور تھے آپ کو گرفت نہیں ہوگی۔ آپ بیمار ہیں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے۔ بیٹھ کر پڑھ لیجیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مجبوری سے آگاہ ہے۔ آپ کو معاف کرے گا۔

یہ اسلام میں آسانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو عطا فرمائی ہیں۔ اگر امت اب بھی شکر گزار نہ ہو تو نہ معلوم پھر کس سزا کی مستوجب ہوگی۔

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: 2043.

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے!

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِمَنْكِبِي فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْعَابِرُ سَبِيلٍ» وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَ إِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَ خُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ.

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے شانہ پر ہاتھ رکھا اور مجھے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''دنیا میں یوں زندگی بسر کر جیسے کوئی اجنبی یا مسافر مسافرت کے دن گزارتا ہے۔'' اس کے بعد ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: جب شام ہو تو صبح کا انتظار نہ کر۔ اور صبح ہو تو شام کا منتظر نہ رہ۔ تندرستی میں اپنی بیماری کے دنوں کے لیے کچھ سامان کر لے۔ اور زندگی میں اپنی موت کے لیے کچھ مہیا کر لے۔''[1]

تشریح اس حدیث میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے وہ کیفیت اور نقشہ بھی ذکر کیا ہے جس کیفیت میں حضور پُر نور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یہ حکم دیا تھا۔ اس سے بھی ایک فائدہ مترتب ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی بے تکلف زندگی بسر کرتے۔ جب کسی سے پیار کرنا ہوتا تو اس کے شانہ پر ہاتھ رکھ دیتے، اُسے پکڑ لیتے۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 6416.

کبھی پیچھے سے آتے تو اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھتے: بتاؤ کون ہے؟ مقصد یہ تھا کہ وہ آپ سے مرعوب ہو کر نہ رہیں بلکہ کھلے ملے رہیں کیونکہ اسی میں شان رسالت ہے اور اسی میں شانِ امارت ہے۔ آج کل کے جھوٹے پیروں اور حاکموں کی طرح مصنوعی شانِ امارت اور مصنوعی رُعب نہ جمائیں کہ اس سے دلوں پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔

پھر مسئلہ کی وضاحت فرمائی کہ دنیا وما فیہا کو دل میں جگہ نہ دینا، اس سے محبت نہ لگانا کہ یہ خدا کی یاد سے غافل کرتی ہے۔ اس سے فائدہ اُٹھاؤ مگر ایسے ہی جیسے کوئی مسافر دوران سفر میں ساز و سامان سے فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ میں یہاں نہیں رہوں گا مجھے آگے جانا ہے۔ اس لیے وہ ضرورت کی چیزیں تو فراہم کرلیتا ہے مگر اُن سے لَو نہیں لگاتا، نہ اُن میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنی اصلاح کے بعد پھر دوسروں کو وعظ کرتے ہیں اور سمجھاتے ہیں کہ میاں چلنے کی تیاری میں رہو۔ تمھیں کیا خبر کہ کب بلاوا آجاوے، صبح چلنا ہے یا شام؟ پس اگر یہ احساس ہو جائے کہ ہم غریب الوطن اور مسافر ہیں اور ہمارا اصل مقام یہاں نہیں جہاں ڈیرے لگائے بیٹھے ہیں تو بس پھر خود بخود اعمال کی فکر پیدا ہو جائے گی۔ اور یہ فکر پیدا کرنا ہی انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس وعظ کی ماخذ بھی ایک حدیث ہی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو: [1] بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ [2] بیماری آنے سے پہلے تندرستی کو [3] تنگدستی سے پہلے غنا کو [4] مصروفیت سے پہلے فراغت کو۔ [5] مرنے سے پہلے زندگی کو۔ [1]

---

1 جامع الترمذي مختصراً، حديث: 2333، المستدرك للحاكم: 341/4، حديث: 7846.

شرح اربعین نووی

شرح اربعین نووی جہاں مختلف عناوین پر احاطے کے اعتبار سے امام نووی رحمہ اللہ کا فقہی شاہکار ہے وہاں یہ احادیث نبویہ سے شغف کی واضح دلیل اور ان کے اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بہت سی اربعینوں میں امت نے اسے ممتاز مقام دیا ہے۔

مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی رحمہ اللہ نے کتب احادیث کا ترجمہ کرنے کا عزم کیا تو آغاز اسی سے کیا اور ساتھ ہی بڑی آسان، معاشرتی اور اخلاقی پہلوؤں پر مشتمل اور بہت سے نکات کی حامل شرح لکھی۔

1955ء کے بعد اب اسے نئی آب و تاب سے شائع کیا گیا ہے۔ یہ اس قابل ہے کہ اسے خواتین کے مدارس میں عمومی طور پر اور بچوں کے مدارس کی ابتدائی کلاسوں میں اور دینی سکولوں کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصٰلحات

Naqsh Services: 0313-4671988

مسلم پبلیکیشنز

12 عثمان غنی رضی اللہ عنہ روڈ سنت نگر، لاہور 042-37249678

25 بادیہ حلیمہ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور 042-37310022

000101114

MUSLIM PUBLICATIONS